سلسلہ مطبوعات مسند ہجویری (٦)

# معارفِ ہجویریہ

(3)

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ فروری، 2014ء بعنوان:

(لاہور کے ممتاز عارف اور ولی اللہ سید علی بن عثمان ہجویریؒ)

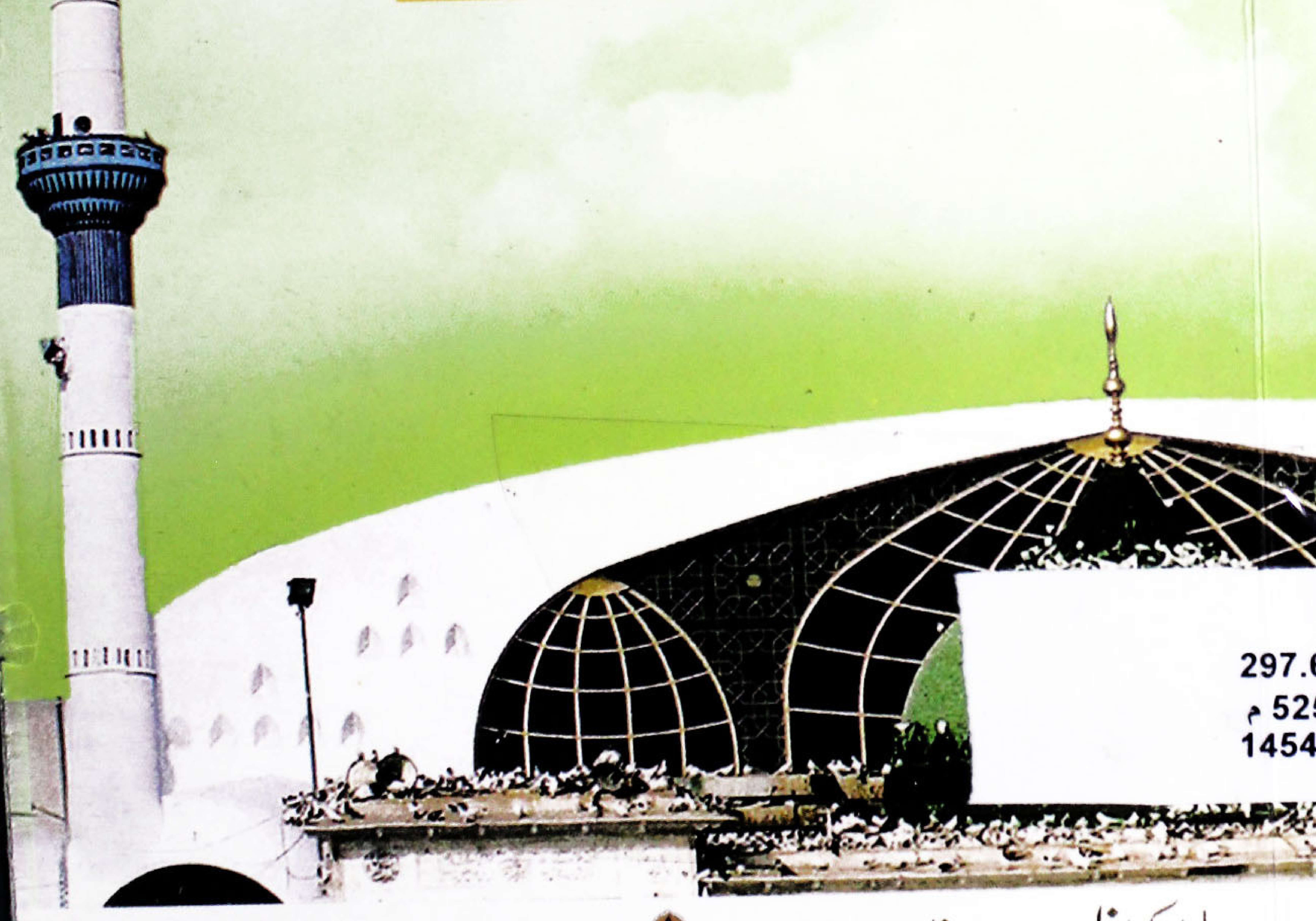

297.0
525 م
1454

تقدیم | ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
استاذ کرسیٔ ہجویریؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

297.697
1.5.2
1۹۵۲
جلد ۳

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: معارف ہجویریہ (۳)
مرتب: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
تعداد صفحات: ۹۷
تعدادِ نسخ: ۵۰۰
قیمتِ نسخہ: ۱۰۰
کمپوزنگ: زاہدہ بتول/عتیق الحسن
پروف ریڈنگ: مصنفین مقالات و مرتب
سرورق: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
طبع اوّل: ۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ ۲۰ مئی ۲۰۱۴ء
طابع: امجد پرویز، ڈائریکٹر طباعت و اشاعت پنجاب یونیورسٹی
ناشر: شعبہ کرسی ہجویری، کلیہ علوم شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

# فہرست موضوعات


| | | |
|---|---|---|
| 1 | اسلامی تصوف کی حقیقت (اداریہ)<br>مرتب | 01 |
| 2 | سید علی ہجویریؒ<br>عبدالرضا سلطانی | 13 |
| 3 | کشف المحجوب کا ترکی ترجمہ<br>ڈاکٹر دُرمُش بُلگُر | 17 |
| 4 | مکتوبات امام ربانی کی تفہیم کے لیے درس مکتوبات کی روایت<br>ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس | 25 |
| 5 | جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان سید علی ہجویری<br>ڈاکٹر ظہور احمد اظہر | 35 |
| 6 | حاشیۂ کشف المحجوب از عبدالغفور<br>پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی | 49 |
| 7 | سید ہجویر کے منہجِ دعوت کی اساس<br>ڈاکٹر سید محمد قمر علی زیدی | 63 |
| 8 | کشف المحجوب اور علمِ نافع<br>ڈاکٹر محمد ناصر | 77 |


Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| 9 | محمد اکرم اعوان، ایک صوفی شاعر<br>ڈاکٹر حافظ عبدالقدیر | 83 |


Marfat.com

# انتساب

حضرت داتا پیر و مرشدِ لاہور

کی

نذر

ظہور احمد اظہر

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

# اسلامی تصوف کی حقیقت

''معارف ہجویریہ'' کی اشاعت شعبۂ مسند ہجویری پنجاب یونیورسٹی کا ایک معمول سا بن چکا ہے اور اس معمول نے ایک سالانہ علمی و ادبی روایت کی شکل اختیار کر لی ہے! ہر سال اس عنوان سے مقالات و بحوث کا ایک مجموعہ شائع ہوتا ہے جو ملکی و غیر ملکی اہل علم کے افکار و معارف کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ مجموعہ اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا بلکہ اگر یونیورسٹی انتظامیہ نے چاہا (اور علم دوست و ہنر پرور وائس چانسلر ڈاکٹر مجاہد کامران کو تو اس سے کوئی بھی نہیں روک سکتا!) تو یہ معمول، یہ روایت اور یہ سلسلہ ایک مستقل مجلّے یا علمی رسالے کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ کم از کم ایک سالنامہ تو کچھ مشکل نہ ہوگا بلکہ نہایت ہی آسان کام ہوگا، بتوفیق اللہ وفضلہ!

یہ مجموعہ دراصل ان مقالات پر مشتمل ہے جو ایرانی دوستوں کی مُبادرت اور تجویز کردہ عنوان ''سید علی ہجویری لاہور کے ایک ممتاز صوفی اور ولی اللہ'' کے مطابق لکھے گئے اور ایک سیمینار میں پیش ہوئے جو سال دو ہزار چودہ کے ماہِ فروری میں پنجاب یونیورسٹی کے الرازی ہال میں منعقد ہوا، اس کے محرک ہمارے ایرانی دوست جناب عبدالرضا سلطانی، مدیر خانہ فرہنگ ایران، لاہور تھے، جدید ایران۔ جمہوری اسلامی ایران۔ کے اہل علم و دانش حضرت سید علی ہجویری، مرشد لاہور اور ان کی زندۂ جاوید کتاب - جسے میں ''صحیفۂ تصوفِ اسلامی'' جانتا اور مانتا ہوں - کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اس وقت اس کتابِ جلیل

Marfat.com

کے جو دو ایڈیشن دنیا بھر میں متداول اور مقبول ہیں وہ دونوں ہی دو ایرانی اہل دانش کی محنت واہتمام کا تحفہ ہیں، ان میں سے ایک تہران کے ڈاکٹر محمود عابدی ہیں اور دوسرے ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی ہیں، جو شاعر بھی ہیں اور "رہا" تخلص کرتے ہیں (اور جو ایک طویل مدت تک پاکستان میں رہے اور مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، کو چار چاند لگا گئے، پاکستان کے کونے کونے میں پھر کر برعظیم پاک و ہند میں لکھی گئی کتب فارسی کے مخطوطات جمع کر گئے ہیں انہوں نے کشف المحجوب کے بہت سے خطی نسخے اکٹھے کر کے کتاب کو ایڈٹ کیا اور ساتھ ہی "تحلیلِ کشف المحجوب" کے عنوان سے ایک وقیع تحقیقی مقالہ تیار کر کے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی) یہ دونوں ممتاز و عظیم ایرانی دانشور ہم سب کے تشکر و امتنان کے مستحق ہیں انہوں نے حضرت داتا پیر مرشد لاہور سید علی ہجویری، رحمۃ اللہ علیہ، کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے!!

رسول اعظم و آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت بلکہ دین و شریعت کا نام جب تصوف ٹھہرا تو اس میں اپنے اور غیر، سب ہی، دنیا بھر کے مذاہب کے روحانی پیوند تلاش کر کے اس میں ٹانکنے لگے اور اس کے ذریعہ فساد واختلاف امت کا سامان کرنے پر تل گئے، اس موقع پرستی کے دو سبب بہت نمایاں تھے، ایک تو یہ کہ قرن اول یعنی عہد نبویؐ، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعینؒ میں سے کوئی بھی صوف یعنی اون کا لباس، وقت کے رواج کے مطابق، زیب تن کرنے کے باوجود بھی صوفی نہیں کہلایا کیونکہ وہ سب اس لقب صوفی سے بے نیاز تھے، ان کے نزدیک صحابی، تابعی اور تبع تابعی کہلانے سے بڑھ کر اور کوئی لقب، نسبت یا کوئی خطاب پرکاہ کے برابر بھی نہ تھا ان کے لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نسبت ولقب کی خوشی کائنات کی ہر نعمت اور ہر خوشی سے بہتر و برتر

Marfat.com

تھی اس لئے ان میں سے کوئی بھی صوفی نہ کہلایا یہاں سے یہ تاثر ملا کہ جب قرن اول میں کوئی صوفی یا تصوف نہ تھا اور نہ ہی کوئی صوفی کہلایا تو پھر بعد میں یہ تصوف اور صوفی کہاں سے آ گئے؟۔

اس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ دنیا بھر میں ہمیشہ ہر مذہب کے زاہد، ملنگ اور تارک دنیا لوگوں کا لباس بالعموم نرم کے بجائے کھردرا اور آرام دہ کے بجائے سخت اور تکلیف دہ رہا ہے، دنیا کے بیشتر لوگوں کے ہاں روئی اور ریشم کے لباس کی وافر مقدار ہوتی تھی جبکہ اون اور مُسُوح کم یاب اور مہنگی ہوتی تھی مگر با ایں ہمہ زاہد لوگ کھردرا اور بوجھل لباس مجبوراً پہنتے تھے جس میں پیوند لگانا بھی قابل فخر وثواب سمجھا جاتا تھا اسی لئے ان کے ہاں تو عمر بھر کے لئے ایک ہی سوٹ کافی ہوتا تھا! اس کے برعکس عرب میں جانوروں کے بال خصوصاً اونٹ بھیڑ اور بکری کے بال وافر مقدار میں میسر تھے اور کاٹن تو کاشت ہی نہیں ہوتی تھی اس لئے اکثر لوگوں کا لباس صوف یعنی اون ہوتی تھی مگر تبع تابعین کا دور ختم ہو جانے کے بعد اکثر بزرگوں کو عموماً صُفی (یعنی صفہ مسجد نبوی میں تربیت پانے والے اسلاف کی یادگار) بھی کہنے لگے تھے مگر اونی لباس والے بزرگوں کو بھی صوفی کہا جاتا تھا، کچھ لوگ دکھاوے کے لئے بھی صوف یا اون کا لباس پہننے لگے تھے تاکہ لوگ انہیں بھی صوفی کہیں مگر نہ صوف ان کی مجبوری تھی نہ ان کے لئے اس میں دلی رغبت تھی بلکہ محض نام اور دکھاوا تھا۔

پھر جب لوگوں نے بدھوں، ہندو سادھوں، یہودی اور نصرانی زاہدوں کو بھی صوف اور مُسُوح کے کھردرے لباسوں میں دیکھا تو مسلم اور غیر مسلم صوفی کا فرق گویا مٹ کر ہی رہ گیا، اس تشابہ سے یار لوگوں نے کھردرا لباس ہی تمام مسلم اور غیر مسلم صوفیوں کا ایک مشترک لباس سمجھ لیا، اس پر مستزاد یہ کہ کتاب وسنت کے تصوف پر عمل کو دشوار دیکھ کر

Marfat.com

بعض برائے نام مسلمان صوفیوں نے نماز روزہ تک ترک کر کے محض صوفیانہ لباس ہی کو تصوف قرار دے لیا تو پابند شریعت مسلمانوں نے ان کے اس تصوف کو نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ ان کی ریاکاری اور شعبدہ بازی کو بجا طور پر خلاف اسلام قرار دے دیا یوں اصل اور جعل سازی میں فرق کرنے کی بحث میں پڑنے کی بجائے ہمارے بعض بزرگانِ دین نے سرے سے تصوف کو اسلام کے مد مقابل ایک مستقل مذہب قرار دے دیا حالانکہ یہ شدت پسندی بھی دوسری انتہا پسندی ہے لیکن بہت سے عامل شریعت اہل علم نے اعتدال اور میانہ روی بھی اختیار کی اور لوگوں کو بھی یہی تلقین کی کہ اسلامی تصوف ایک حقیقت ہے اور یہ وہی تصوف ہے جو قرن اول میں سب کا معمول تھا، جو غار حرا سے شروع ہو کر دار ارقم مکہ مکرمہ سے ہوتے ہوئے مسجد نبوی کی تربیت گاہ صفہ میں عروج کمال کو پہنچا! یہ وہی طریقہ نبوی اور تصوف تھا جو سب کا معمول ہے اور ہمارے صوفی بھی کتاب وسنت کی مکمل پیروی سے وہی کچھ کرتے تھے بعد میں سلف صالح کی پیروی میں اچھے صوفی بھی یہی کرتے چلے آتے ہیں مگر قرن اول میں وہ صوفی نہیں کہلاتے تھے بلکہ وہ تو صحابی تھے یا تابعی یا تبع تابعی، اسی لئے ایک نیک بزرگ نے ریاکار صوفیوں کو دیکھ کر بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ قرن اول یعنی عہد نبویؐ، اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے مبارک عہد میں صرف عملی تصوف تھا لیکن صوفی کوئی بھی نہیں کہلاتا تھا مگر آج تصوف اسلامی تو سرے سے غائب ہو چکا ہے مگر ہر طرف صوفی ہی صوفی نظر آتے ہیں جن کی اکثریت، الا ماشاءاللہ محض شعبدہ باز اور ریاکار ہیں! حالانکہ حقیقت میں ایمان اور عمل کا کمال اور ظاہر و باطن کی پاکیزگی کا نام تصوف تھا اور ہے بھی!

اس موضوع پر ہمارا ایک مقالہ سلسلہ ''معارف ہجویریہ'' کی پہلی کڑی میں بھی

Marfat.com

آ چکا ہے لیکن حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب کے مستقل باب التصوف (کشف عابدی ص23) میں اسلامی تصوف کی حقیقت کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ اس موضوع پر قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، انہوں نے اس باب کا آغاز بھی حسب معمول قرآن کریم کی آیت اور ایک حدیث نبوی سے کرتے ہوئے کتاب وسنت، اقوال اہل علم وتصوف اور اپنے عقلی ونقلی دلائل سے حقیقتِ تصوف اسلام پر تسلی بخش اور سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ داتا پیر کے نزدیک تصوف کی اساس کتاب وسنت اور مکارمِ اخلاق نبوی کا دوسرا نام ہے!

باب التصوف (کشف عابدی ص54) میں مرشد لاہور علی ہجویری، رحمۃ اللہ علیہ، کے یہ الفاظ تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

"تصوف نیکو خوي باشد، ہر کہ نیکو خو تر صوفی تر یعنی تصوف تو خوش اخلاقی کا نام ہے اس لئے سب سے بڑا خوش اخلاق انسان ہی سب سے بڑا صوفی ہوتا ہے!"

حضرت داتا کی صوفیانہ بیعت سلسلۂ جنیدیہ سے ہے، کشف المحجوب (کشف عابدی 55) میں حضرت جنید بغدادی کا یہ قول بھی تصوف کے سنت انبیاء ہونے کی خبر دیتا ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصائل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی سخاوت ہو، صبر ایوب ہو، رمز واشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سا ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا اونی لباس ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی سیاحت وسیلانی ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سی فقر پسندی ہو! تو گویا اسلامی تصوف سنت انبیاء علیہم السلام کا مرقع ہے، جس کا نچوڑ دعائے خلیل علیہ السلام والی مکرر آیت میں آ گیا

Marfat.com

ہے اور جو سنت نبوی یا کتاب وسنت پر عمل کے مترادف ہے۔

قرآن کریم کی بیشمار آیات سیرت وسنت پر عمل کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی واطاعت کا حکم دیتی ہیں اور یہی حقیقی تصوف بھی ہے! مگر ایک خاص آیت کریمہ ایسی بھی ہے جو ایک نرالی اور عجیب آیت کہلانے کی مستحق ہے اور سراپا تصوف بھی ہے! یہ آیتِ کریمہ خاص اس لئے ہے کہ یہ اسلامی تصوف اور اس پر کاربند ہونے کے لئے کافی بلکہ مفصل اور جامع رہنمائی عطا کرتی ہے! یہ آیتِ کریمہ عجیب اس لئے ہے کہ یہ قرآن کریم کی تین سورتوں (سورت بقرہ، آل عمران اور سورت جمعہ) میں تین بار مکرر آئی ہے تینوں جگہ، الفاظ بھی ایک سے ہیں معنی ومفہوم بھی ایک سا ہے مگر مقصد وپیغام ہر مقام پر الگ الگ ہے! اسلامی تصوف کی جان یہ آیت کریمہ سب سے پہلے سورت بقرہ 129/2 میں تو ابراہیم خلیل اللہؑ کی دعا کے طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد اسماعیلؑ یعنی وادیٔ بطحا کے عرب اور قریش میں سے وہ رسول اعظم وآخرؐ پیدا فرمائے جو اپنے صحابہ کرامؓ کی سیرت سازی یا کردار بنانے کا کام کرے اور یہی طریقہ کردار سازی یعنی ''اسلامی تصوف'' امت کے لئے نمونہ اور اپنی یادگار چھوڑ جائے تاکہ ہر مسلمان نسل اپنے اپنے عہد میں اسی سیرت سازی اور تعمیر کردار کی بھٹی میں ڈھل کر فقط سونا نہیں کندن بن کر نکلتی رہے! لیکن یہ تو ہم کر نہیں پائے یا اسے کرنا مشکل دیکھ کر اس کے لئے آمادہ ہی نہیں ہو پا رہے اس لئے اپنی نئی نسلوں کی کردار سازی کو ایک کٹھن ذمہ داری سمجھ کر آرام سے بیٹھ گئے ہیں اور سرے سے ''اسلامی تصوف'' ہی کو خلاف اسلام قرار دے کر ٹھکرا دیا ہے تاکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!! چنانچہ میدان خالی پا کر شعبدہ باز اور ریاکار سامنے آ گئے جنہیں دیکھ کر لوگوں کی زبان پر یہی سنائی دیتا ہے کہ اگر یہی تصوفِ اسلامی ہے تو پھر ہم تو ایسے تصوف سے باز آئے

Marfat.com

اور یوں ہم اچھے برے اور سچے جھوٹے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے لگے ہیں کہ اگر یہی پیشہ ور خرقہ پوش ریا کار اور شعبدہ باز ہی صوفی اور اہلِ طریقت ہیں تو پھر ہماری توبہ! حالانکہ حضرت داتا صاحب اور ان کے پیرو مرشد حضرت شیخ ابوالفضل ختلی شامی جیسے سچے اور سچے پیروکارِ کتاب وسنت تو خود بھی ایسے جھوٹے اور ریا کار صوفیوں کے نقاد تھے اور انہیں اپنے آپ سے ہمیشہ دور بھی رکھتے رہے ہیں جبکہ اصل اسلامی تصوف اور حقیقی صوفیوں کو تو مستند ائمہ اور علماء نے بھی پہنچانا ہے اور مانا ہے حتیٰ کہ امام ابن تیمیہ جیسے معتبر فقیہ نے بھی حضرت جنید بغدادی کے تصوف اسلامی کو پہچانا اور مانا ہے! جبکہ پیشہ ور شعبدہ بازوں کے متعلق تو علامہ اقبال کو بھی یہ کہنا پڑا ہے کہ:

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد  زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

لیکن تین سورتوں میں نازل ہونے والی اس خاص اور عجیب آیت کے دیگر پہلو بھی یقیناً قابلِ توجہ ہیں جن کی روشنی میں اسلامی تصوف پر اس جامع حکمِ قرآنی کو جاننا، سمجھنا اور ماننا زیادہ مفید اور اہم ہے چنانچہ سورت بقرہ کی اس آیت نمبر ۱۲۹: جو دعائے خلیل اللہؑ کی آئینہ دار اور تصوف اسلامی کی ترجمان ہے، میں ارشادِ ربانی کا ترجمہ یوں ہے کہ: ''اے ہمارے رب! انہی میں سے یعنی اولادِ اسماعیل کے عربوں میں سے ایک رسول مبعوث کرنا جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب وحکمت (کتاب وسنت) کی تعلیم دے اور (اس سب کا مقصد یہ ہے کہ) وہ تزکیہ نفس سے انہیں پاک بنائے، ان کی کردار سازی اور تعمیرِ سیرت کا کام کرے، بلاشبہ تو تو غالب اور حکمت والا ہے!''۔

یہ تلاوتِ آیات اور کتاب وسنت کی تعلیم وہی مواعظ، وہی عبادت اور وہی اذکار ہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے دارارقم میں اور ہجرت کے بعد پھر صفہ مسجد نبوی میں

Marfat.com

انجام دیتے رہے اور اپنے صحابہ کرامؓ کی کردار سازی اور تعمیر سیرت سے انہیں بناتے اور سنوارتے رہے! اور یہ تعلیم و کردار سازی کا وہی عظیم الشان کام ہے جو تصوفِ اسلامی کی زبان میں تزکیہ نفس کہلاتا ہے جو ہر سچا اور سُچا صوفی انجام دے کر مسلمان نسل کو سنوارتا اور اس کی کردار سازی کرتا رہا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ کام ہم نے کرنا تھا مگر حیلے بہانے سے اسے ہم پس پشت ڈال چکے ہیں اور صرف صوفیوں پر طنز کرنے کا کام سنبھال لیا ہے! مگر ہم شاید یہ بھول گئے ہیں کہ ہمارے نبی کریمؐ انسانی قیادت و اصلاح کی تاریخ میں پہلے اور آخری نبی اور مصلح ہیں جنہوں نے کردار سازی اور تعمیر شخصیت کا یہ فریضہ انجام دے کر انسانیت کو یہ پیغام دیا ہے کہ انسان خود بخود بنتے اور سنورتے نہیں بلکہ بنانے اور سنوارنے پڑتے ہیں، کوئی بھی کارِ خیر انجام دینے یا انقلابی تحریک چلانے کے لئے تربیت یافتہ کارکن درکار ہوتے ہیں ہر کام کے لئے اور تحریک کے ہر پہلو کے لئے اچھی طرح تیار اور دل و جان سے آمادہ کارکن درکار ہوتے ہیں، وہ ایسے تیار شدہ کارکن اور فدائی ہوں کہ ان کا ہر کام بخوبی انجام پائے اور ان کا ہر قدم شاندار کامیابی کی طرف بڑھے! ایسی کامیابی کہ اس تحریک کی فتح و کامیابی پر دنیا دنگ رہ جائے یہ کارنامہ اور ایسا کام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے کبھی انجام نہ دیا تھا مگر بعد میں آنے والا ہر قائد تحریک اس کی تقلید اور پیروی کرنے پر مجبور ہے، انسانوں کو بنانے اور سنوارنے، ان کی کردار سازی اور تعمیر سیرت رسول اولین و آخرینؐ کا ایسا ہی کارنامہ ہے! اپنے ساتھیوں میں سے ہر فرد پر انفرادی توجہ اور نظر کرم فرمائی اور نگاہِ کارساز ڈالی کہ ہر فرد اپنے اپنے کام کا مرد میدان بنکر نکلا! جدھر گیا کامیابی نے اس کے قدم چومے اور اس کے لئے انقلاب کی راہیں کھلتی گئیں حتی کہ صرف دس سال سے کم عرصہ میں ہی دس لاکھ مربع میل سے زائد کے علاقے

Marfat.com

میں آباد ایک اجڈ اور بے حد پسماندہ قوم میں عدل وامن کی علمبردار مثالی حکومت قائم کردی نہ صرف یہ بلکہ تین براعظموں میں امن وعدل کی یہ مثالی حکومت قائم کردی اور دنیائے انسانیت کو امن وعدل کا علمبردار اور بیمثال تمدن عطا فرمادیا!

تو یہ ہے وہ دعائے خلیل اللہؑ اور اس کی قبولیت کا عالم! اور یہ ہے ایک جھلک اس تحریک کی جو غارِ حرا کی خلوت نشینی میں اپنی ذات کی اصلاح سے شروع ہوئی، مکہ مکرمہ کے دارارقم میں انسان سازی، انفرادی توجہ سے ارکان کے بنانے سنوارنے میں انہماک رہا اور پھر مدینہ منورہ میں صفۂ مسجد نبوی میں یہ تحریک سیرتِ سازی پروان چڑھی، پھلی پھولی اور عروج کمال کو پہنچی اسی تحریک نے عالم بشریت کو ایک ایسی مہمیز لگائی کہ اس تحریک کی متلاطم موجیں بڑھتی اور چڑھتی ہی جارہی ہیں اور بڑھتی ہی جائیں گی، باذن اللہ! یوں آیات قرآن کی تلاوت، تعلیم کتاب وسنت، تزکیہ نفوس سے انسانوں کی داخلی وخارجی کردار سازی ہوئی اور ہوتی رہے گی! یہی دعا تھی حضرت ابراھیمؑ کی، اور یہ تھا اس دعا کی مقبولیت کا عالم! یہ ہے وہ تحریک اسلامی جو ہمارے صوفی کے لئے کچھ عملی اصول اور ایک عملی نمونہ چھوڑ گئی اور یہ ہے وہ تاثیر اس دعا کی جو سورت بقرہ کی اس آیت کا مدعا و مضمون ہے!!

اس کے بعد بعینہ یہی انوکھی آیت سورت آل عمران (آیت ۱۶۴) میں مکرر آئی ہے مگر الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے ساتھ اور کسی بھی فرق واختلاف کے بغیر لیکن یہاں اس آیت کریمہ کا مدعا ومقصود کچھ اور ہی ہے، یہاں اللہ رب العزت اولاد ابراھیمؑ پر اپنے اس احسان عظیم کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے وادئ غیر ذی زرع (بے آب و گیاہ وادی) کے لئے کی جانے والی وہ دعائے خلیل اللہؑ قبول کرلی ہے! ہم نے ان میں اپنا رسول اعظم وآخرؐ مبعوث فرمادیا ہے!!

Marfat.com

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعینہ یہی انوکھی آیت کریمہ جو نوشتہ تحریک اسلامی اور اصول تصوف کی آئینہ دار ہے سورت جمعہ کے شروع میں وارد ہوتی ہے مگر یہاں پر بھی مدعا و مقصود کچھ اور ہے! جو پہلے دو مقاصد اور مدعا سے الگ اور بڑھ کر ہے! یہاں پروردگار عالم انسانیت کو یہ جتا رہے ہیں کہ پہلے تم مجھے سمجھنے، جاننے، پہنچاننے اور ماننے میں غلط فہمیوں کا شکار تھے نا! اسی لئے تو تمہارے حقیر نمرود، فرعون اور شداد خدائی کے دعوے کرتے رہے ہیں! مگر اب میرے آخری پیغمبرؐ رسول اولین و آخرین نے دلائل و براہین سے میری پہچان کروا دی ہے میری توحید، میرے وجود، میری ہستی، میری صمدیت وحقانیت پر روشن دلائل قائم کر دئے ہیں! اب سب کو میری قدرت غالبہ قاہرہ کا صحیح اندازہ ہو گیا ہے! اب کسی کو خدائی کا دعوی کرنے اور میرا شریک و سہیم بننے کی احمقانہ جرئت کبھی نہیں ہوگی کیونکہ اب دعائے خلیل اللہؑ کے مصداق رسولؐ نے میری ربوبیت انسانیت پر پوری طرح واضح کر دی ہے اور اچھی طرح سمجھا دی ہے! اب اس تحریکِ تصوفِ اسلامی کے پیروکار گیلانی، ہجویری اور اجمیری جیسے فداکار و پیروکار مصطفیٰ ﷺ اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے صوفیانہ رنگ ڈھنگ اور ذکر و عبادت سے اس تحریک کو تا ابد زندہ و پائندہ رکھیں گے!؟ ایسے ہی بندگان حق کتاب وسنت کے سایہ میں اس تحریک کو زندہ و پائندہ رکھیں گے جو غار حرا سے چلی تھی اور دار ارقم اور صفہ سے ہوتے ہوئے کامیاب نکلی تھی! اب بھی انسانیت سازی کی اس تحریک کو صرف اور صرف حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نقش قدم پر چلنے والے ہی زندہ رکھیں گے اور کامیابی سے ہمکنار کرتے رہیں گے مگر جوریا کار اور شعبدہ باز ہیں ان کا اس تحریک سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ ہمیشہ گرتے مرتے اور رسوا ہو کر مٹتے رہیں گے!

اسلامی تصوف، جیسا کہ مرشد لاہور نے کشف المحجوب میں قطعی اعلان فرمایا ہے

Marfat.com

کہ اسلامی تصوف تو کتاب وسنت پر عمل کا دوسرا نام ہے اور جو کچھ کتاب وسنت سے باہر ہے وہ زندیقیت اور ریاکاری کے سوا کچھ بھی نہیں! اسلامی تصوف کسی خاص لباس یا پیشہ کا نام نہیں بلکہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق تعمیر سیرت اور کردار سازی کی تربیت گاہ میں علم وعمل کے حسین امتزاج سے متصف ہو کر نکلنے کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ''اقرأ'' کی نورانی کرنوں کی روشنی میں حراء سے نکلا اور پھر دار ارقم اور صفہ کی تربیتگاہوں میں کردار کا لباس زیب تن کرنے اور علم وعمل کے حسین امتزاج کے تمام مراحل طے کر کے انسانیت کو راہ راست پر لگانے کے لئے میدان عمل میں آ گیا تھا اس کی تربیت کا نصاب صرف کتاب وسنت اور اس کا طریقہ عمل وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا لیکن جب خلافت ملوکیت میں ڈھل گئی تو تصوف کا بھی نہ وہ نصاب رہا، نہ وہ معمول اور نہ وہ طرزِ کردار سازی باقی رہی! گویا تصوف یا انسانوں کو بنا سنوار کر انسانیت کے مرتبہ پر فائز کرنا متروک ہو گیا اور صرف اور صرف ''صوفی'' رہ گئے جو اون کے لباس کے بغیر ہی شُعبدہ بازی اور ریاکاری کے گر سیکھنے سکھانے پر کمربستہ ہو گئے!

تصوف نبوی ﷺ کا نصاب مشکل تھا اور کردار سازی کا کام کٹھن تھا نیز بادشاہت میں ڈھل جانے والی خلافت کے لئے بھی یہ نصاب اور اس کے مضمرات خطرناک تھے اس لئے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی مگر امام حسن بصریؒ جیسے مردان حر نے اصل تصوف نبوی ﷺ کا سلسلہ بھی جاری رکھا جو مشکلات کے باوجود ہمیشہ جاری رہا لیکن افسوس کہ فروغ صرف ریاکارانہ لباس والے تصوف کو ملا جو آج تک آسانی کے ساتھ پیری مریدی کے پیشہ کے رنگ میں اور صوفیانہ کروفر کے ساتھ فروغ پذیر ہے! گویا اصل متروک ہو گئی، الا ماشاء اللہ، اور نقل جاری ہے! جب صوفی کا ترجمہ ''مسٹک'' ہو گیا اور تصوف (Mysticism) کے

Marfat.com

مترادف قرار پاگیا تو یہ کہنا بھی روا ٹھیرا کہ اسلامی تصوف بھی دنیا بھر کے مسٹیسزم (Mysticism) کا چربہ ہے اور یہ بھی مان لیا گیا کہ مسلمان صوفیوں، راہبوں، سادھوؤں کا تصوف بھی مشترک ہے اس لئے اب مشرق و مغرب کے ''محقق'' اسی مشترکہ تصوف کے حق میں ہیں یعنی یہ لوگ اصل کے بجائے نقل کو فروغ دینا چاہتے ہیں تا کہ اصل تصوف کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے اور خود مسلمان بھی اسلامی تصوف کو اسلام کے مدمقابل ایک الگ مذہب قرار دیکر فراموش کردیں! اور یوں غار حراء سے ''اقرأ'' کی روشنی میں روانہ ہونے اور دارارقم اور صفہ سے ہو کر نکلنے والے کاروان حق کا رستہ بھی روک دیا جائے اور مسلمان نسلوں کی کردار سازی بھی ایک خواب پریشان بنکر رہ جائے! یوں ہمارے صوفی اونی لباس کی تکلیف اٹھائے بغیر ہی اپنے خاص شاہی کروفر والے ریشم اور مخمل کے لباس میں بھی ''صوفی'' بنے رہیں!!

شعبۂ مسندِ ہجویری، شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی اور خانہ فرہنگ ایران کے اشتراک سے فروری ۲۰۱۴ء میں منعقد ہونے والے اس سیمینار کا مقصد و منزل یہی تحریک تصوف اور اس میں عظیم عارف لاہور سید علی ہجویری کے کردار کو اجاگر کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ آج بھی امت اسلام کی عزت و بقا اور آزادانہ فعال کردار کے لئے وہی حقیقی تصوف کی پیروی اور صوفیہ کرام کی کردار سازی کی رہنمائی درکار ہے، ''معارف ہجویریہ'' کا یہ مجموعہ انہی مقالات و بحوث پر مشتمل ہے جو اہل علم و دانش نے اسی مقصد کے لئے اس سیمینار میں پیش کئے!

ظہور احمد اظہر

Marfat.com

# سید علی ہجویریؒ

## بسمه تعالی

ابو الحسن علی بن عثمان هجویری، با احتمالی نزدیك به یقین در او اخر قرن چهارم یا اوائل قرن پنجم، سالهای عزت و دولت غزنویان و در روز های پادشاهی سلطان محمود غزنوی زاده شد۔ علوم متد اول عصر، خاصه قرآن، حدیث، تفسیر، فقه و کلام را در زادگاه خود و احتمالاً در غزنین، آموخت و پس از چندی که از سالهای جوانی او چندان دور نبود از ناحیه غزنین بیرون آمد و سفر طولانی را آغاز کرد۔ پدر هجویری عثمان بن ابی علی، از کار گزاران و دولتمردان غزنوی بود و با آشفتگی امر غزنویان که پس از گرفتاری و قتل سلطان مسعود آغاز شد۔ ناگزیربود که سلامت و عافیت را بیرون از حوزه غزنین جستجو کند، اختلافها و جد الهای مذهبی او را، که بی گمان در همان دوره جوانی خود در علوم روز صاحب مقاسی بود، و اداشت تا از وطن مالوف خود دور ماند، برخی گفته اند شوق دیدار شهر های بزرگ خراسان۔مرو،

Marfat.com

سرخس، نیشاپور، طوس و جز آنها- با انواع جاذبه هاي که از دولت مراکز فرهنگی و مشایخ بزرگ آن روز داشتند، دوری از شهر و دیار را برای او هموار کرد و پایش را به راه این سفر گشود-

هجویری سفر خود را آغاز کرد- چیزی که درباره شخصیت و مقام هجویری آن روز هامی توان گفت، این است که در آن سالها هنوز از''تیزی و آتش''جوانی دور نشده بود، طبعی نازك و حساس داشت- علمی آموخته و آدابی را ور زیده بود- به علاوه آرزوی دیدار مشایخ که در آن روزها و جهه همت اغلب طالبان علم و دوستداران تصوف بود، هم برای او مایه قراری نمی گذاشت-

او از غزنین، بیرون آمد و سفری در پهنه اسلام آن روز آغاز کرد-به عراق ، شهر های مرکزی ایران، رفت و روز هایی را در آنجا گذراند-

هجویری پس از این سیر و سفر، که بی تردید سالهاي از عمر او را گرفت- به طوس و نیشاپور رسید و صحبت و خدمت مشایخ بزرگ آن روز خراسان، ابو العباس شقانی، ابو احمد حمدان، ابو القاسم کر

Marfat.com

کانی به یقین چون دیدار امام ابو القاسم قشیری، دولتی تازه به کنار آورد۔

این روز ها، روز های ورود هجویری به نیشاپور و طوس و صحبت او بانمایندگان علم و تصوف خراسان، مقارن سالهای پس از،٦٦ سال در گذشت ابو الخیر بود۔احتمالاً در همین سالها بود که شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی را دریافت۔

اقامت او در نیشابور و طوس هم هر چه بود، دیری نپایید۔ او که این سالها ظاهراًیك بار هم به غزنین و مرو رفته بود و بعضی از کتابهای خود را درآن شهر ها گذاشته بود، سر انجام به جانب شرق روانه شد۔

آخرین منزل و منزل ناگزیر او شهر لاهور بود۔ در این شهر مرزی خراسان و هند بود که فرصتی برای او پیدا شد و کشف المحجوب را نوشت یا آن را تکمیل کرد۔

نخستین کتابی است که در تصوف و به زبان فارسی نوشته شده است۔ پیش از آن مؤلفان بزرگ و معروف صوفیه، مانند ابو نصر سراج طوسی، ابو طالب

Marfat.com

مکی، ابو بکر کلاباذی و ابو القاسم قشیری کتابهاي نوشته بودند. هجویری بر آن بود که با استفاده از کار های پیشروان خود، طرح جامعی از نظام تصوف عرضه کند و مجموعه عناصری را که برای خواننده خود لازم می دید، طرح و شرح کند.

عبدالرضا سلطانی
سرپرست وابستگی فرهنگی و مسئول خانه فرهنگ
جمهوری اسلامی ایران- لاهور

Marfat.com

# کشف المحجوب کا ترکی ترجمہ

ڈاکٹر دُرمش بُلگر

پروفیسر شعبہ رومی چیئر پنجاب یونیورسٹی

ترک دانشوروں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں رونما ہونے والی علمی تبدیلیوں اور فکری تحریکوں کا قریب سے جائزہ لیا ہے اور وقت ضائع کیے بغیر عربی اور فارسی زبان میں اس حوالے سے لکھی گئی قیمتی کتابوں کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا ہے۔ پہلے پہلے ان کاموں میں کمی یا غلطی بہت کم ہوا کرتی تھی۔ لیکن آخری دور میں ان میں غلطیاں بھی بہت ہونے لگی ہیں۔ متقدمین کی اکثریت عربی اور فارسی زبانوں کا علم رکھتے تھے اور ان دونوں زبانوں کے مآخذ تک پہنچنے اور ان سے استفادہ کرنے میں ان کو دقت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن آخری دور میں ان دونوں زبانوں میں لکھی گئی کتابوں سے استفادہ کرنے والے دانشوروں کی تعداد میں کمی بذات خود ان زبانوں سے ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت کا سبب بھی بن گئی۔ پھر چونکہ ان دونوں زبانوں میں لکھی گئی مستند کتابیں بڑی مشکل سے ملتی تھیں اس لئے ترجمے کے ذریعے ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی۔

اس ضمن میں فارسی سے کیے گئے ترجموں کی تعداد بہت کم ہے۔ عربی زبان سے جو تراجم ہوئے ہیں ان کی نوعیت علمی اور فکری اعتبار سے کم درجے کی ہے۔ ان میں اکثر رائج الوقت موضوعات آسان اسلوب کے ساتھ لکھے ہوتے ہیں۔ بنیادی مآخذ اور تحقیقی کاموں کے تراجم کی کمی ہی ترکی میں فکری تحریکوں اور دینی تفکر کا عروج نہ پانے کا باعث بن گئی ہے۔ شفاء السائل، رسالہ قشیریہ، تعرف، شرح عقائد، مقدمہ اور کشف المحجوب کے تراجم، خواہ وہ مخصوص میدانوں کے متعلق کیوں نہ ہوں، اس کمی کو پورا کرنے کی سوچ کے تحت منظر عام پر آئے ہیں۔

Marfat.com

ہمیں امید ہے کہ یہ سارے کام اسلامی سوچ، اسلامی تصوف، عقائد، کلام جیسے موضوعات کے پس منظر اور حال کو بہتر طریقے سے سمجھنے اور مستقبل کے بارے میں صحیح قیاس آرائی میں معین و مددگار ثابت ہوں گے۔

ہم ہجویری کی فارسی زبان میں لکھی گئی کتاب کشف المحجوب کا جو ترجمہ یہاں پیش کر رہے ہیں وہ تصوف کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ہے اور اس سے پہلے انگریزی، عربی اور اردو زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں انگریز مستشرق نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے اور پھر ۱۹۲۶ء میں روسی مستشرق Jokovski نے Leningrad میں اس کو تنقید کے ساتھ شائع کیا (اس کا تنقیدی جائزہ لیا ہے)۔ لیکن آشکار ہے کہ کشف المحجوب کے ترکی زبان میں ترجمہ ہونے میں کافی تاخیر ہوئی تھی۔ یہ بات ہماری فکری دنیا اور عملی زندگی کے لئے قابل فخر نہیں ہوگی کہ ایک مسلمان مؤلف کی طرف سے لکھی گئی یہ کتاب مغرب والوں کے مطالعے کے لئے تو قابل رسائی ہو مگر ترک قارئین اس سہولت سے محروم رہیں۔

میں کافی عرصے سے سوچ رہا تھا کہ ترک قارئین کے استفادے کے لئے کشف المحجوب کا ترجمہ کرلوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ سن ۱۹۷۴ء میں اس کا عربی زبان میں ترجمہ شائع ہوا اور اس کے بعد مجھ میں اس کا ترکی میں ترجمہ کرنے کا جو شوق تھا اور بڑھ گیا۔ آخرکار ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء اس کتاب کا ترجمہ کرنے میں گزر گیا۔ طویل سردی کے موسم کو ہجویری کے ساتھ تصوفی گفتگوئیں کرتے ہوئے اور ان کو سمجھنے کی کوشش میں گزارنا میرے لئے باعثِ مسرت تھا اور بہت لطف آیا۔ مجھے امید ہے کہ سردی کے موسم کے چند مہینوں کو اس طرح کے کوئی کام پر مختص کرنے والے حضرات میری اس بات کی حقیقت کو بخوبی سمجھیں گے۔ مجھے جو معنوی ذوق اور حظ حاصل ہوا ہے اس میں وہ بھی میرے ساتھ شریک ہوں گے۔ اپنی فکری دنیا کو وسعت دینے اور

Marfat.com

اسے مضبوط بنیادوں پر استناد کرنے کی خوشی کو اپنے دلوں میں محسوس کریں گے۔ میرے لئے یہ بات باعثِ فخر اور نورٌ علی نورٌ ہوگی کہ میرا یہ ترجمہ تصوفی اور دینی حقائق کے متعلق علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے مددگار ثابت ہو۔

ایک ایسے زمانے میں جس میں لوگ تصوف کی تاریخ سے بے خبر، فکری تحریکوں سے ناآشنا تھے اور ایسے مشائخ و مرید ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جو اپنے مخصوص سلسلے سے منسلک ہونے کا دعوی کرتے تھے، جبکہ وہ اس سلسلے کے ماضی سے بالکل بہرہ ور نہیں تھے، ایسے وقت میں کشف المحجوب جیسی عظیم کتاب کی اشاعت دینی اور اجتماعی زندگی پر نہایت اچھے نتائج مرتب کرے گی۔ معاشرہ کو مادی اور معنوی اعتبار سے کھانے اور اس کو خراب کرنے والی اجتماعی بیماریوں کو دور کرنے، فکری اعتبار سے پس ماندہ معاشرہ کو حرکت میں لانے کا واحد راستہ علمی اور فکری قیمت کی حامل کتابوں کو عوام الناس کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ صرف اس کی بدولت تصوفی زندگی مضبوط بنیادوں پر صحت کے ساتھ پروان چڑھ سکتی ہے اور غزالی، ابن عربی، مولانا رومی اور یونس ایمرے جیسے بزرگوں کا پیدا ہونا ممکن ہوسکتا ہے۔

ترکی میں ہجویری اور ان کی کتاب کشف المحجوب کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس اس قدر معلوم ہے کہ اسلامک انسائیکلو پیڈیا کے مضمون ''داتا گنج بخش'' کی چند سطور جو محمد ہدایت حسین کی لکھی ہوئی ہیں اور 'نفاحت' کے ترجمہ کے علاوہ کوئی معلومات ترکی زبان میں نہیں ہیں۔ دراصل اناطولیہ کی پوری تاریخ میں ہجویری کوئی معروف مؤلف اور کشف المحجوب پڑھی جانے والی کوئی کتاب بھی نہیں رہی۔ اصل میں سارا عالم اسلام ہجویری اور ان کی کتاب کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ حتی کہ کشف المحجوب فارسی زبان میں ہونے کے باوجود ایرانی علماء بھی اس ضمن میں تشفی بخش معلومات کے حامل نہیں ہیں۔ لوگوں کو ہجویری اور ان کی کتاب کی اہمیت بیسویں صدی میں محسوس ہوئی۔

Marfat.com

'نفاحت' کے ترجمے میں لکھا گیا ہے کہ: ''ہجویری کشف المحجوب کا مصنف ہے۔ یہ کتاب اس فن کی معتبر کتابوں میں سے ایک ہے اور اس میں بہت سے لطائف اور حقائق جمع ہوئے ہیں۔'' اور یہ بات اپنی جگہ درست بھی ہے۔

چونکہ ہجویری اور ان کی کتاب کے بارے میں ترکی زبان میں زیادہ معلومات نہیں ہیں اس لیے میں نے کشف المحجوب کے عربی ترجمے سے استفادہ کیا ہے جو ڈاکٹر Isad Abdulhadi Kandil اسعاد عبدالہادی قندیل نے کیا ہے۔ میں نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ کچھ حذف اور اضافوں کے ساتھ قارئین کی خدمت میں یہ ترجمہ پیش کیا جائے اور ساتھ ہی جگہ جگہ اپنی رائے بھی دے دوں جہاں ضرورت محسوس ہو۔

ڈاکٹر قندیل لفظ ''وفا'' کے عنوان کے تحت مختصراً یوں لکھتی ہیں: ہجویری اور ان کی کتاب کشف المحجوب سے میری واقفیت اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۵۷ء میں مصر کی عین شمس یونیورسٹی کی ادبیات فیکلٹی میں فارسی کے پروفیسر مرحوم ڈاکٹر ابراہیم امین شواربی سے تصوف کا درس لیا تھا۔ مرحوم استاد اسلامی تصوف کے فارسی مآخذ کا اکثر اوقات حوالہ دیتے اور اس طرح سے اپنا الم اور مقصد بیان کر دیتے تھے۔ وہ بہت اداس ہوتے تھے۔ کیونکہ مستشرقین نے سبقت لے کر ان کتابوں میں سے بعض کو نشر کر دیا ہے اور بعض کا ترجمہ اپنی زبانوں میں بھی کر دیا ہے۔ پھر بھی وہ امید رکھتے تھے اور منتظر تھے کہ ان کے شاگرد ایک دن اسلامی ثقافت کی میراث کے اہم حصے کو عربی میں ترجمہ کریں گے۔ استاد تصوف کا درس دیتے ہوئے خاص طور پر دو کتابوں کی اہمیت کا ذکر کرتے تھے۔ ان میں سے ایک محمد بن منور کی ''اسرار التوحید'' اور دوسری ہجویری کی ''کشف المحجوب' تھی۔

میں نے ایم۔اے کے دوران پہلی کتاب کا انتخاب کیا اور اسے ۱۹۶۴ء میں مکمل کر دیا۔ نیز اسی سال پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے کے لیے میں نے دوسری کتاب کو چن لیا۔ میں نے

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر عبدالنعیم محمد حسنین کی نگرانی میں ''کشف المحجوب'' کی روشنی میں ہجویری اور تصوف میں ان کا مذہب'' کے عنوان سے اس مقالے کو پانچ سال میں مکمل کیا (۱۹۶۹ء)۔ لیکن کشف المحجوب میں میری دلچسپی جاری رہی۔ میں اپنی روح کی گہرائیوں میں اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیے جانے کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتی تھی۔ میری آرزو تھی کہ اس کتاب سے وہ لوگ بھی فائدہ حاصل کر لیں جو فارسی زبان سے واقف نہیں ہیں لیکن اسلامی تصوف پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں اس کتاب کے ترجمہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ میں نے کثیر تعداد میں شرحیں اور ترجمہ کے متعلق حواشی تیار کیے۔ کتاب میں مذکور باتوں اور روایات کی تحقیق کر کے ان کے اصل عربی متون کو ڈھونڈا۔ مجھے امید ہے کہ میرے استاد کی خواہش اس طرح پوری ہوگئی ہوگی۔ مجھے توقع ہے کہ دوسرے حضرات اس اقدام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے اور فارسی زبان میں لکھی گئی تصوف کی ساری کتابوں کا ترجمہ ہماری پیاری زبان عربی میں کریں گے۔

کشف المحجوب کا ترجمہ عربی زبان میں کرنے کے لیے ڈاکٹر قندیل نے جو باتیں کی تھیں وہی باتیں ترکی میں ترجمہ کے لیے بھی درست ہیں۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کو پانچ سال میں مکمل کیا تھا۔ لیکن اس کام میں ہجویری اور ان کی کتاب کے متعلق غیر ضروری معلومات، فروعات، وضاحت اور حاشیہ موجود ہے۔ چونکہ ان ساری باتوں میں سے اکثر باتیں غیر ضروری اور اتنی اہمیت کی حامل نہیں تھیں اس لیے ترکی میں ترجمہ کے دوران چھوڑ دی گئی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہم نے کہیں کہیں بعض معلومات کو اس میں شامل کر دیا جہاں ان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طرح ہم نے کشف المحجوب کا تجزیہ کر کے اس کے مؤلف کا تعارف کرانے کی کوشش کی۔

میں اسماعیل کرا (İsmail Kara) صاحب کا شکر گزار ہوں جس نے اس ترجمے کی

Marfat.com

طباعت اور فہرست کی تیاری میں میری مدد کی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مصطفیٰ طہرالی (Mustafa Tahralı) کا بھی شکرگزار ہوں جس نے کشف المحجوب کے عربی ترجمے سے مجھے آگاہ کیا اور اس سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔ مصطفیٰ مدانلی اوغلو (Mustafa Madanlıoğlu) بھی میرے شکریہ کا مستحق ہے جس نے اس کتاب کے کمپوزنگ کا کام کیا اور آخر میں درگاہ پبلشر کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے اس کتاب کو قارئین تک پہنچایا۔

(ترک مترجم) سلیمان اولوداغ ترکی کے شہر آمسیا (Amasya) کے گاؤں آکیازی (Akyazi) میں ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام خطیب ہائی سکول، چورم (Çorum) سے میٹرک پاس کیا اور ہائی اسلامی انسٹی ٹیوٹ، استنبول سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ شہر قسطامونو (Kastamonu) ہائی سکول میں تین سال بطور مدرس کام کیا۔ ۱۹۷۰ء میں ہائی اسلامی انسٹی ٹیوٹ، قیصری (Kayseri) اور بعد میں ۱۹۷۵ء میں ہائی اسلامی انسٹی ٹیوٹ، بورسہ (Bursa) میں بھی کام کرتے رہے۔ آج کل اولوداغ یونیورسٹی، بورسہ کے شعبہ تصوف میں کام کر رہے ہیں۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

تراجم:

(۱) رسالہ قشیری

(۲) کشف المحجوب

(۳) مقدمہ ابن خلدون

(۴) تعرف، تصوف کا ابتدائی دور (کلاباذی)

(۵) تذکرۃ الاولیاء (فرید الدین عطار)

1٢٥٢19

Marfat.com

(۶) شفاء السائل (تصوف کا کردار)

(۷) فیصل التفرقہ (اسلام میں رواداری)

(۸) اسرار التوحید

(۹) ابن خلدون پر تحقیق

(۱۰) علم الکلام اور عقائد اسلام

(۱۱) فلسفہ اور دین کا تعلق (ابن رشد)

(۱۲) مناقب اولیاء

(۱۳) اسلام میں تنقید اور مناظرہ کا اصول

تصنیف و تالیف:

(۱) اسلام میں سود کے مسئلے پر ایک نظر

(۲) اسلام اور سیاست کا تعلق

(۳) اسلامی تصور کی ساخت

(۴) اسلام میں امر و نہی کی حکمتیں

(۵) اسلام کی رو سے موسیقی اور سماع

(۶) اسلام میں مرشد اور ارشاد کے کام

(۷) اسلام میں اعتقاد اور اعتقادی مذاہب

(۸) ابن عربی

(۹) بایزید بسطامی (Bayezid Bistâmî)

Marfat.com

(۱۰) فخر الدین رازی

(۱۱) ابن خلدون

(۱۲) تصوف کی تاریخ

(۱۳) اصطلاح تصوف کی لغت

(۱۴) صوفی کی نظر میں عورت

(۱۵) تصوف اور انسان

(۱۶) ایران اور توران کی سیاحت

(۱۷) تصوف کی روایت میں کشف و کرامت

(یہ ترکی ترجمہ کے مقدمہ کا اردو ترجمہ پروفیسر دُرمُش صاحب کی کاوش ہے، مرتب)

Marfat.com

# مکتوبات امام ربانی کی تفہیم کے لیے
# درس مکتوبات کی روایت

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس
چیئر مین شعبہ اسلامیات وعربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

کتب تصوف کئی طرح کی ہیں: جیسے مکتوبات، ملفوظات، تذکار صوفیہ، تاریخ تصوف، اور وصایا وغیرہ۔ ان میں مکتوبات کو خاص اہمیت اس اعتبار سے حاصل ہوتی ہے کہ عارفانہ کلام کے علاوہ اپنے عہد کی تاریخ کا مظہر بھی ہوتے ہیں۔ یہ مکاتیب اہل علم کے مابین باہم روابط و تعلق کی نوعیت کو بھی بیان کرتے ہیں۔ تصوف کی تاریخ میں دو شخصیات کے مکاتیب کو شہرت مدام حاصل ہوئی۔ ایک حضرت شیخ یحییٰ منیری اور دوسرے شیخ احمد سرہندی۔ ان میں بھی مؤخر الذکر مجموعہ کے مکاتیب اپنے موضوعات کے تنوع اور تشریح و تصریح کے لحاظ سے زیادہ وقیع اور جامع ہیں۔ (شمس بریلوی مقدمہ اردو ترجمہ عوارف المعارف) یہ مکاتیب تین دفاتر پر مشتمل ہیں پہلا دفتر ۳۱۳ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اور اس کو درالمعرفت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دفتر کے مکاتیب کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق (313) رکھی گئی ہے۔ جبکہ دوسرے دفتر کو ''نور الخلائق'' کے نام سے شہرت ملی اور اسماء اللہ الحسنیٰ کے مطابق ان کی تعداد ۹۹ رکھی گئی ہے۔ تیسرا دفتر قرآن کریم کی سورتوں کے مطابق ۱۱۴ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کا نام معرفۃ الحقائق ہے۔ ۱۰ مکاتیب کا اضافہ بعد میں ہوا۔ اس طرح یہ ۵۳۵ مکاتیب کا مجموعہ ہے اس مجموعہ کی ہر جلد فکر اسلامی کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ''اصحاب بدر،

Marfat.com

اسماء اللہ الحسنی ، اور قرآن کریم کی سورتیں'' یہ یقیناً فکر اسلامی کی جہت سے قابل توجہ نکات ہیں۔ ان مجموعہ ہائے مکاتیب میں تصوف کی ادق اصطلاحات ، اہم صوفیانہ مباحث پر تحقیق ، صوفیانہ افکار پر بحث و نظر ، تصوف کے نئے گوشوں کی طرف رہنمائی ، جیسے مباحث تو آنے ہی تھے مگر شریعت مصطفوی کی پابندی اور اتباع رسول پر سختی سے عمل اور نبوت کی حقیقت و ماہیت اور ضرورت پر بلند پایہ معارف اس بات کے عکاس ہیں کہ تصوف کوئی غیر اسلامی فکر یا رسم کا نام نہیں بلکہ شریعت کی روح اور اساس ہے۔ اس منہج کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکاتیب ''علم کلام'' کی کتاب ہے۔ جس میں علم کلام کے امام شیخ احمد سرہندی کے کلامی اجتہادات بھی شامل ہیں۔

مضامین کے وقیع ، مشکل اور فنی ہونے کی وجہ سے ہی عالم اسلام میں مکتوبات کے دروس کا اہتمام کیا گیا۔

نقشبندیہ مجددی حضرات میں اس درس کی روایت پر اسوہ حسنہ کے مؤلف کی یہ تحریر لائق مطالعہ ہے: ''مخفی نہ رہے کہ کتاب ہدایت مآب مکتوبات شریف اس سے پہلے حضرات مجددیہ اور خلفائے نقشبندیہ کے درس و تدریس میں شامل تھی۔ اسے سبقاً سبقاً اُستاد سے پڑھا جاتا۔ حلقہ اصحاب میں سے کوئی ایک اونچی آواز سے پڑھتا اور باقی ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور اس سے انشراح قلب اور صفائے باطن حاصل کرتے'' اصل عبارت یہ ہے۔

مخفی نماند کہ کتاب ہدایت مآب مکتوبات شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ پیش ازین در درس و تدریس حضرات

Marfat.com

مجددیہ و خلفائ نقشبندیہ داخل بودو سبقاً سبقاً آں رانزد استاد میخواندند در حلقہ اصحاب یک کس بآواز بلند خوانند و دیگراں ہمہ تن گوش شدہ استماع میکردند و از ان انشراح قلب وصفائی باطن می یافتند (اسوۂ حسنہ ص:٦٩)

عہد امام ربانی ہی میں اس کی نقول پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھیں بلکہ بغض اور کج فہمی جیسے عناصر سے تیار ہونے والی فکر نے ان میں تحریف کر کے عالم عرب میں بھی پہنچا دیا تھا، متحدہ ہندوستان میں خواجہ معصوم سرہندی، مکتوبات کا درس دیا کرتے تھے۔ خواجہ معصوم کے اس درس کے بارے میں سید محمد میاں لکھتے ہیں۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ حضرت مجدد کے مکتوبات کا درس بھی آپ دیتے تھے اور اس کے دقیق مضامین کو شرح وبسط سے بیان کرتے اور شبہات کا حل فرماتے (علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول ص:۲۵۹) صاحب مقامات معصومی نے درس کا خاص انداز بھی بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں: ''درس مکتوبات کی مجلس میں حضرت خواجہ محمد سعید خاموش بیٹھتے اور محض سماعت فرماتے تھے جبکہ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کی شرح بیان کرتے۔ حضرت خواجہ معصوم کا درس کی تقریر کرنا مفسرین و محدثین کی اتباع میں تھا جبکہ خواجہ سعید درس کے دوران حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فیض باطن سے فیض یاب ہو کر وہی فیض سامعین کے قلوب پر القاء فرماتے تھے'' اس فرق کی وضاحت میر صفر کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

''حضرت خازن الرحمت القاء معانی راتفویض برباطن فیض مواطن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ می نمودند تاز آن برکات رشحہ براہل مجلس تقاطرنما ید

Marfat.com

وخودبه مراقبه می ساختند و حضرت ایشان که معانی آں فرمودند پیروی مفسران وشراح ......''حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے مسلسل ۴۵ سال تک مکتوبات کا درس دیا۔ اس درس کے اسلوب و کیفیات کو شاہ رؤف احمد رافت مجددی نے بیان کیا ہے۔ ایک مجلس کی روداد ان الفاظ میں بیان کی:

غلام اس قبلہ خواص وعوام کے حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت امام ربانی، محبوب سبحانی، واقف اسرار مقطعات قرآنی، کاشف رموز متشابہات فرقانی، مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی کے مکتوبات قدسی آیات کا درس ہو رہا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ایک شخص نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ مرشد کامل مکمل سالک کو ایک ولایت سے دوسری ولایت تک لے جاتا ہے یا اسی ولایت میں جو اس کا مقام ہے ترقیات بخشتا ہے۔ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا تھا کہ ''ایک ولایت سے دوسری ولایت میں لے جانے کا واقعہ معلوم نہیں لیکن اسی ولایت میں مرشد کی توجہات سے ترقیات واقع ہوتی ہیں۔'' تمام ہوا کلام شریف۔ حضرت والا نے فرمایا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے ابتداء حالات میں یہ مکتوب لکھا ہے، اس کے بعد آنحضرت قدس سرہٗ نے دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ کامل ایک ولایت سے دوسرے ولایت میں لے جاتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے صاحبزادے یعنی مظہر تصدیق و مورد تحقیق، کاشف استار دقائق (چھپے نکات کو واضح کرنے والے)، واقف اسرار حقائق، وارث

Marfat.com

الانبیاء والمرسلین، سید الاصفیاء والصدیقین، عالم عامل، فارق بین الحق والباطل، مفخر خلائق حضرت شیخ محمد صادق علیہ رحمۃ اللہ الخالق کو توجہ وہمت فرما کر مقام ولایت موسی سے ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوات والتحیات تک پہنچایا تھا۔ رافت، شاہ روف احمد، درالمعارف، ترجمہ ابوالنصر انس فاروقی مجددی، شاہ ابوالخیر اکادمی، دہلی ص:۱۳۳۔۱۳۴

۲۸ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ کی ایک مجلس کو ان الفاظ میں بیان کیا:

غلام قبلہ انام کے حضور حاضر ہوا۔ مکتوبات قدسی آیات کا درس شروع ہو گیا تھا اور حضرت والا کا ہمیشہ یہی معمول تھا کہ بعد عصر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا کلام فیض نظام پڑھا جاتا تھا۔ پس حضرت والا متوجہ ہو کر مراقبہ میں بیٹھ کر مکتوبات شریفہ کی سماعت فرماتے تھے۔ اور زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرماتے کہ میں نے اسی مکتوبات قدسی آیات سے اخذ فیوض کیا ہے جس طرح مریدان اپنے پیروں سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ ونیز فرمایا کہ سبحان اللہ کس قدر حضرت حق جل جلالہ کی تقدیس وتنزیہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت کا کلام انسانی کلام سے بالا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ سراسر الہام ربانی ہے۔ جب اس قبلہ انام کا کلام فیض نظام اس قدر خواص وعوام کی ہدایت کرنے والا ہے، تو متکلم (یعنی بیان کرنے والے) کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور ان کی ثنا وصفت میں مشغول ہونا چاہیے۔

من چہ گویم وصف آں عالی جناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

(میں اس عالی جناب کی کیا تعریف کروں مختصر یہ کہ وہ پیغمبر تو نہیں لیکن کتاب رکھتے ہیں) (ایضاً ص:۱۳۸)

Marfat.com

۹ شعبان ۱۲۳۱ کے ایک درس کے حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا:

حضور فیض گنجور میں حاضر ہوا۔ اس وقت مکتوبات قدسی آیات حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ باسرارہ السامی کا درس ہو رہا تھا۔ دو سو ساٹھواں مکتوب پڑھا گیا جو حضرت مخدوم زادہ کلاں علیہ الرضوان کو لکھا گیا تھا، جس میں اس طریق کا ذکر تھا جس میں انہیں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سبحان اللہ جو معارف حضرت نے بیان فرمائے ہیں امت میں سے کسی ایک نے ایسا بیان نہیں کیا ہے اور جن اسرار کے موتیوں کو سلک تحریر میں پرو دیا ہے اصحاب معرفت میں سے کسی نے بھی معرفت کے ایسی موتی نہیں پروئے ہیں۔ ان کا کلام بمنزلہ وحی آسمانی کے ہے اور ان کا بیان رموز ربانی کی تشریح ہے اور انہوں نے جو مقامات بیان فرمائے ہیں اور جن مکاشفات کی راہ طے فرمائی ہے ان پر ہزاروں طالبین کو چلایا ہے نہ یہ کہ دو ہی ایک لوگوں نے ان اسرار سے واقف ہو کر اس کی شہادت پر زبان کھولی ہو بلکہ اس جہاں کو ان نئے نئے معارف سے سرفراز فرما کر اپنا ثنا خواں بنا دیا اور ایک عالم کو ان جدید مقامات سے واقف کر کے اپنا مداح کر دیا ہے۔

نہ من براں گل عارض غزل سرائم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

(میں ہی اکیلا اس گل عارض پر غزل سرا نہیں ہوں۔ بلکہ ہزاروں بلبل تجھ پر فریفتہ ہیں) (ایضاً ص، ۲۱۹)

۲۳ شعبان ۱۲۳۱ھ بروز جمعہ کی مجلس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

محفل فیض منزل میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ السامی کے مکتوبات شریف کا درس ہو رہا تھا، وہ مکتوب جو بڑے صاحبزادوں یعنی خواجہ خورد و خواجہ کلاں کو عقائد کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا پڑھا گیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس مکتوب میں عقائد کے باب میں بڑے فائدے ہیں، اسے علیحدہ لکھ کر لوگوں کو دینا چاہیے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی اور الرحمٰن اور الرحیم کے معانی بیان فرمائے کہ۔

الرحمٰن۔ وہ ذات کہ جس سے مانگا جائے تو وہ عطا کرے۔

الرحیم۔ وہ ذات کہ جس کسی نے اس سے نہ مانگا، تو وہ اس پر ناراض ہوا۔

(ایضاً ص:۲۳۱)

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی مجددیہ سلسلہ کے مکاتیب، کے پورے ذخیرہ کو سامنے رکھ کر اور مکتوبات امام ربانی کے بارے میں اپنی تحقیقات کشفیہ کی روشنی میں درس دیتے۔ درس کا اسلوب بھی ان مکاتیب کی روشنی میں واضح ہوتا ہے۔

مجددی خانوادہ کے ممتاز فرد آغا محمد حسین زید برکاتہ نقل کرتے ہیں کہ جب ہم ٹکہڑ میں تھے حضرت کلاں نے ہم چاروں کو مکتوبات شریف کا درس شروع کروایا۔ ہم دونوں بھائی اور حضرت عبدالقدوس جو بشیر بن جان آغا کے نام سے معروف ہیں اور سید حاجی اسد اللہ شاہ ٹکہڑائی، چاروں ہم سبق تھے۔ وہ دنیاوی کاموں میں مشغول ہو گئے اور اس سلسلہ کو چھوڑ گئے۔ اور میں ایک عرصہ تک حضرت سے مکتوبات کا درس لیتا رہا۔ درس کے دوران آپ عجیب و غریب نکات

Marfat.com

اور اسرار و دقائق بیان فرماتے کہ کم سنی کی وجہ سے سمجھ میں نہ آتا۔ (اسوہ حسنہ ص:۶۹)

ملا موسیٰ بھٹی کوٹی اور حافظ محسن سیالکوٹی بھی مکتوبات کا درس ارشاد فرماتے۔ مولانا برکات احمد بہاری کے بارے میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ وہ عصر کے بعد درس مکتوبات بھی ارشاد فرماتے۔

(پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم جلد اول، ص:۳۲۷)

قیام پاکستان کے بعد مولانا محمد نور الدین نقشبندی (م:۱۹۵۵) شکر گڑھ کی مختلف مساجد میں درس دیا کرتے تھے۔ ''حضرت خواجہ غلام معصوم ثانی نے ۳۹ سال مکتوبات کا درس دیا آپ پشاور میں مدفون ہیں''۔ مولانا سعید مجددی (م، ۲۰۰۲/۱۴۲۳ھ) نے گوجرانوالہ میں ایک طویل عرصہ درس دیا۔ ان کی دروس البینات کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ ان کی اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ شائع شدہ جلدیں دراصل درس مکتوبات کی ریکارڈنگ سے مرتب کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے کراچی میں ایک طویل عرصہ تک درس دیا، اس کی روئیداد المظہر میں شائع ہوتی رہی ہے۔ ماہر مجددیات پروفیسر محمد اقبال مجددی لاہور، واپڈا ٹاؤن میں ناظم بشیر کی رہائش گاہ پر گذشتہ انیس ماہ سے درس ارشاد فرما رہے ہیں۔ ان کا یہ درس بذریعہ سکائپ عرب ممالک اور امریکہ میں بھی سنا جاتا ہے۔ اب تک ہونے والے مکاتیب کے درس کو مرتب کر کے (مرتبہ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس) ہر مکتوب کو علیحدہ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں اصل مکتوب، ترجمہ اور اس کی شرح شامل ہے۔ افغانستان میں بھی درس کی روایت کو مجددی حضرات

Marfat.com

نے جاری رکھا۔ایک معروف نام مولوی نصراللہ ہوتکی (م:۱۹۷۶) کا ہے۔آپ مکتوبات امام ربانی کے حافظ شمار ہوتے تھے۔آپ نے شیخ حضرت نورالمشائخ ملا فضل عمر مجددی کی موجودگی میں مدتوں مکتوبات کے درس کی سعادت حاصل کی۔ کابل وقندھار میں درس کے دوران ایسے نکات بیان کرتے جو پہلے کبھی نہ سنے گئے۔

خواجہ معصوم کی روایت درس کو بخارا میں آپ کے خلیفہ حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری (م:۱۱۱۰) نے جاری رکھا۔آپ کے خلیفہ محمد مراد شامی (م:۱۱۳۲) شام میں مکتوبات کا درس دیتے۔ یہ صاحب استنبول اور مکہ مکرمہ کے اسفار میں بھی درس کی روایت کو جاری رکھتے۔ڈاکٹر Copty کے ایک مقالہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے بھی کئی علماء وصوفیہ مکتوبات سے خاص شغف رکھتے۔

Annabelle Bottches نے شیخ حلمی تونبان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے پیروکار ترک، کردی الاصل ہیں اور جرمنی میں اپنے تمام مراکز میں مکتوبات امام ربانی کا درس دیتے ہیں (جہان امام ربانی جلد اول،ص:۹۰)

سلیمان آفندی کے سلسلہ سے وابستہ لوگ آج بھی اپنے مدارس میں آخری کلاس کو مکتوبات کا ایک حصہ سبقاً سبقاً پڑھاتے ہیں،اس طرح ترکی کے ایک معروف عالم بدیع الزماں سعیدی نورسی کے بارہ میں مجھے ترک عالم محمد پاکسو نے بتایا کہ نورسی مکتوبات کے حافظ تھے۔خواجہ شمس الحق کوہستانی ، شاہ رسول طالقانی،مولانا محمد ہاشم سمنگانی،مولانا محمد لعل المعروف حضرت استاد صاحب اور اخوفرزادہ سیف الرحمٰن کامل بھی مکتوبات کا درس دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

مکتوبات کے حوالہ سے یہ نامکمل جائزہ اس بات کا مظہر ہے کہ خانقاھوں میں درس مکتوبات کی روایت موجود رہی ہے۔اس کا مقصد لوگوں کو فکری وحدت عطا کر کے انتشار ذہنی سے بچانا تھا۔آج بھی ہم مثنوی مولانا روم اور مکتوبات امام ربانی سے فکری وحدت کا درس حاصل کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

# جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سر عنوان سید علی ہجویری

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

پروفیسر شعبہ ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

ہمارا یہ خطہ، جس میں ہمارا وطن عزیز، دولتِ خدا داد، اسلامی جمہوریہ پاکستان، واقع ہے، جسے لوگ برصغیر پاک و ہند بھی کہتے ہیں بلکہ صرف برصغیر [حالانکہ براعظم (Continent) کی نسبت سے اسے برعظیم (Sub-continent) کہنا چاہئے] اس خطے میں اسلامی تاریخ کا نقطۂ اول یا سرِ عنوان کس کو قرار دیا جائے؟! یہ ایک جائز اور معقول سوال ہے مگر اس کا جواب اگرچہ مشکل ہے تاہم اسے منصفانہ ضرور ہونا چاہیے۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر عراق میں بنو امیہ کے نائب سلطنت (وائس رائے) حجاج بن یوسف کی ہدایت پر طارق بن زیاد بربری کی قیادت میں عرب اور بربر مسلمانوں پر مشتمل ایک لشکر ہسپانیا فتح کرنے کے لئے جبل الطارق کے دامن میں اترا تو یہ خطہ فتح ہو کر اسلامی اندلس بن گیا، دوسرا لشکر اسی حجاج کی ہدایت پر ہی محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں عرب اور ایرانی مسلمانوں پر مشتمل تھا جو دیبل (کراچی) کی بندرگاہ کے قریب اترا تھا جس نے سندھ و ہند یا دوسرے لفظوں میں سندھ، پنجاب اور خیبر پختون خوا کا علاقہ، یا یوں کہہ لیجئے کہ موجودہ پاکستان کا علاقہ فتح کر کے دمشق کی عظیم اسلامی (اموی؟) خلافت کا حصہ بنا دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ مفتوحہ سند و ہند کا یہ علاقہ بھی تیسرا علاقہ تھا جو اندلس اور شمالی افریقہ کی طرح بغداد کی عباسی خلافت سے مکمل طور پر کٹ گیا تھا، البتہ بنوامیہ

Marfat.com

کے خاتمہ تک دوسرے تمام علاقوں کی طرح یہ پاکستان کا علاقہ بھی دمشق کی اموی خلافت سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ رہا(۱) تھا۔

محمد بن قاسم، رحمۃ اللہ علیہ، ایک پرعزم، پرجوش اور ہنرمند جرنیل ثابت ہوا، اس نے صرف سترہ سال کی عمر میں ہی یہ فتح حاصل کی تھی اس لئے وہ تاریخ کا سب سے کم عمر فاتح جرنیل بن (۲) گیا، بن قاسم کے مفتوحہ علاقے کے لوگ چونکہ چھوت چھات اور صدیوں سے نافذ برہمن کی طبقاتی تقسیم کے نظام میں جکڑے ہوئے تھے اس لئے کچھ اسلامی اخوت و مساوات اور فکر و عقیدہ کی آزادی سے متاثر ہوکر اور کچھ بن قاسم کے ذاتی کردار اور حسن سلوک اور عدل و انصاف سے متاثر ہو کر خاصی تعداد میں اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر جلد ہی دمشق سے آنے والے اموی گورنروں کی مالیہ اور خراج کی وصولی پر زور دینے کی باتیں سن کر یا خود بلاد عرب اور سندھ و پنجاب میں فرقہ پرستی سے متاثر ہوکر (خصوصاً قرامطہ جیسے دہشت گرد فرقہ پرستوں سے تنگ آ کر) مقامی لوگ بد دل ہونے (۳) لگے تھے، کیونکہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز، رضی اللہ عنہما، کو چھوڑ کر بنو امیہ مجموعی طور پر کشور کشائی اور مال غنیمت جمع کرنے کے قائل حکمران تھے، سنٹرل ایشیا کی طرح جنوبی ایشیا میں بھی اگر صوفیہ کرام اور اہل بیتِ عظام اسلام کی یاوری نہ کرتے تو سنٹرل اور جنوبی ایشیا میں اسلام اور مسلمانوں کا حشر بھی سپین اور سسلی کے اسلام اور مسلمانوں کے انجام سے مختلف نہ ہوتا، اس لئے انصاف کی بات یہ ہے کہ بن قاسم جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز تو یقیناً ہیں مگر انہیں برعظیم جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سر عنوان کہنا مشکل ہے!؟

Marfat.com

ابومسلم خراسانی جیسے بہادر اور باتدبیر جرنیل کی قیادت میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے بنو ہاشم اور اہل بیت کے نام سے بنوامیہ کے خلاف ایران (عجم) اور خراسان (سنٹرل ایشیا) میں جو تحریک شروع کروائی تھی اس نے جب بنوعباس کی خلافتی بادشاہت (یا بادشاھانہ خلافت) کی شکل میں اپنا اصل چہرہ دکھادیا تو امت مسلمہ کے وہ حق پرست عناصر بہت مایوس ہوئے تھے جو ''یزیدی موروثیت'' کا تختہ الٹ کر اس کی جگہ حقیقی اسلامی شورائی جمہوریت [جس میں حکومت اپنے قیام اور اپنی بقا میں بھی عوام الناس کی محتاج ہوتی ہے اور اس حکومت کے قیام اور بقا میں ہر فرد معاشرہ کی رضا و رغبت کے ساتھ ان کی آزادانہ رائے کا بھی عمل دخل ہوتا ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو، اسے اب آپ صدارتی جمہوریت کہیں یا پارلیمانی جمہوریت کا تماشا!!] کو واپس لانا چاہتے تھے وہی نظامِ حکومت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت اور شورائیت سے قائم ہوا اور آپ کے خلفائے راشدین (بشمول پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز) کی تدبیر، حکمت اور قربانی سے پروان چڑھا تھا۔

مگر اس عباسی انقلاب پر حقیقی اسلام اور اصل شورائیت کی روح کی بحالی کی امید رکھنے والے عناصر قطعی طور پر مایوس نہیں ہوئے تھے (قطعی مایوسی تو گناہ ہے!) چنانچہ اہل بیت کرام اور اہل طریقت عظام کو بھی اسی خراسان و ایران اور سنٹرل ایشیا میں ہی امید کی کرن نظر آئی تھی، یہ جو ثمرقند و بخارا، سنٹرل ایشیا اور خراسان میں سادات کرام اور اولیائے عظام کی کثرت نظر آتی ہے تو اس کا ایک سبب بھی یہی تھا!! ان علاقوں میں اہل بیت اور ان کے پیروکار اہل طریقت کی

Marfat.com

مساعی حمیدہ سے اسلام کو ثبات نصیب ہوا اور اسلامی ثقافت اور علوم نے بھی فروغ پایا لیکن ان بزرگوں میں سونے پر سہاگہ کے مصداق اور بہترین افراد تو وہ لوگ تھے جو بیک وقت اہل بیت میں سے بھی تھے اور اہل طریقت بھی تھے (جیسے سید ہجویر اور خواجہ اجمیر، رحمۃ اللہ علیہما)۔

بن قاسم کے بعد برعظیم پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کے قاری کی نظریں پانچویں صدی ہجری کے صاحب عزیمت و کردار اور دلوں میں گھر کرنے والے عظیم و جلیل فاتح سلطان محمود غزنوی پر مرکوز ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا ہندوستان اور ہسپانیا کی اسلامی فتح میں ایک گہری مشابہت یہ ہے کہ ان دونوں۔مشرق و مغرب کے خطوں میں۔اسلام بیک وقت داخل ہوا تھا ان دونوں خطوں میں مشابہت اور مماثلت کی ایک صورت یہ بھی رہی کہ شام میں دریائے زاب کے کنارے بنو عباس کے بپھرے ہوئے لشکر نے جونہی آخری اموی خلیفہ محمد بن مروان الحمار کی گردن کاٹی تو مفتوحہ علاقہ مسلم ہندوستان اور مسلم ہسپانیا (اندلس) کے تحت خلافتِ بغداد سے ہمیشہ کے لئے کٹ جانے کا بھی تاریخ نے فیصلہ کر دیا تھا مگر ایک فرق (بلکہ عدم مماثلت و مشابہت کی ایک صورت کہنا شاید زیادہ مناسب ہو) یہ تھا کہ بن قاسم کے مفتوحہ علاقے اور عظیم اموی جرنیل مہلب بن ابی صفرہ (جس کے گھوڑوں نے لاہور اور کشمیر کے علاوہ خیبر پختون خوا کے علاقہ بنہ (یا بنوں) کی سرزمین پر بھی قدم رکھے (۴) تھے) کی معرکہ آرائیوں کی جولانگاہ تو عرب مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہی ہوگئی مگر مسلم ہسپانیا کے لئے ایک اموی شہزادہ (جسے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بجا طور پر صقرِ قریش یعنی

Marfat.com

قریش کا شاہین قرار دیا تھا یعنی عبدالرحمٰن بن معاویہ) نے عباسی سپاہیوں کی طرف سے تیروں کی بارش کے باوجود اسی دریائے زاب کو چیتے کی سی تیز رفتار سے تیر کر پار کر لیا تھا اور سب دیکھتے ہی رہ گئے تھے! پھر یہی عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام عراق، مصر اور مراکش کے جنگلوں اور کھیتوں کو عبور کرتا ہوا ہسپانیا میں داخل ہو گیا تھا اسی لئے وہ عبدالرحمٰن الداخل کہلایا (۵) تھا، عباسی لشکری اس کا برق رفتار تعاقب بھی کرتے رہے تھے مگر اس نے انہیں جل دے کر براعظم افریقہ کو اسی طرح حیرت انگیز انداز میں عبور کر لیا تھا جس طرح جرمن جرنیل رومیل نے فیلڈ مارشل منٹگمری کے چھکے چھڑا کر ''افریقی صحراء کی لومڑی'' کا خطاب پا لیا تھا مگر عبدالرحمٰن الداخل نے سپین میں ایک نئی اموی بادشاہانہ خلافت کی بنیاد بھی رکھی جو آٹھ سو سال تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہی، جس طرح مراکش کے حکمران مرابطین اور پھر موحدین نے اندلسی معاشرہ اور حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو بار بار سہارا دیا اسی طرح خراسان و افغانستان کے غزنوی، غوری اور ابدالی بھی ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور حکمرانی کو بار بار سنبھالتے اور سہارا دیتے رہے مگر اسی خراسان ہی نے ہمیں سید ہجویری اور خواجہ اجمیر، رحمۃ اللہ علیہما، جیسی ہستیاں بھی مہیا کر دیں جن کے صدقے آج بھی برعظیم میں اسلام باقی اور مسلمان بھی زندہ ہیں مگر اس کے برعکس مراکش یا شمالی افریقہ سے اندلس کے لئے ایسا کوئی ایک بھی اللہ کا بندہ نہ اٹھا تھا جو اسلام کو لوگوں کے دلوں میں اتارتا یا حکمرانی کی گرتی ہوئی دیوار کو مستقل بنیاد فراہم کرتا اور اگر کوئی گیا بھی تو یا وہ کوئی فلسفی تھا یا متشدد فقیہ تھا جو حکمرانوں (٦) میں گھل مل گیا!! نتیجہ ظاہر ہے آج سسلی اور سپین میں نہ اسلام ہے نہ مسلمان!

Marfat.com

اسلامی اندلس (مسلم ہسپانیا) اور اسلامی ہند کے درمیان یہ مماثلت اور مشابہت بھی خوب ہے اور ہماری جامعات کے اہل علم و دانش کو دعوت تحقیق دیتی ہے کہ جس طرح اسلامی مراکش کبھی مرابطین اور کبھی موحدین کی صورت میں مسلم ہسپانیا کو فاتحین ومحافظین مہیا کرتا رہا اور جو سپین میں اسلام اور مسلمانوں کو نئی زندگی اور نیا رخ دینے کی کوششیں کرتے رہے مگر بات نہ بن سکی! اسی طرح اسلامی خراسان (اور پھر اسلامی افغانستان!؟) اسلامی ہند کو بھی ایسے فاتحین مہیا کرتے رہے جو برعظیم کی امت مسلمہ کے محافظ، خیر خواہ اور نہایت ہمدرد ثابت ہوتے رہے! ان خراسانی و افغانی مسلم اہل شمشیر نے ہمیشہ اسلام کو ایک نیا تاریخی موڑ دیا، ایک نیا رخ اور رستہ بھی سجھایا اور سب سے بڑھکر یہ کہ ایک نئی دنیا آباد کر کے مسلمانوں کو حوصلہ مند بنا دیا اور ایک روشن مستقبل کی امید اور نوید بھی ثابت ہوئے (۷)! تاریخ تو اپنے آپ کو دہرانے کی امید اور نوید بنتی رہتی ہے اور اب بھی یہ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے، تاریخ کو ایسا کرنے سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا! برہمن کی ''آریائی عیاری'' یا دھن دھونس دھاندلی بھی ایسا کرنے سے عاجز ہے!!

اگر بن قاسم برعظیم میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان نہیں ہیں بلکہ نقطۂ آغاز ہیں تو پھر کیا سلطان محمود غزنوی کو برعظیم میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان قرار دیا جائے؟! کیونکہ بت شکن غزنوی نے یہاں چار کام ایسے کیے جو دوررس نتائج کے حامل ثابت ہوئے، ایک طرف تو اس نے اسلامی خراسان کو پھر سے ہندو امپائر کا حصہ بنانے اور غزنہ کی سلطنت سبکتگین کو راستے کا روڑا سمجھنے والے ہندو راجواڑوں

Marfat.com

کا دماغ بھی مستقل طور پر اور ہمیشہ کے لئے درست کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں خراسان سے تو حق پرست مسافر پے در پے ہندوستان میں آتے رہے مگر ہندوستان سے خراسان کا رخ کرنے کی کسی کو کبھی جرئت نہ ہو سکی تھی، بن قاسم کے مفتوحہ علاقوں میں جو فساد مچا ہوا تھا اور قرامطہ جیسے مفسد اور دہشت گرد گروہ ان علاقوں کے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ اور بد دل کرنے میں لگے ہوئے تھے، سلطان محمود غزنوی جو پوری اسلامی دنیا کو اپنی دہشت گردی کی لپیٹ میں لے لینے والے اس فسادی گروہ قرامطہ کا سنٹرل ایشیا اور عراق و عجم سمیت ہر جگہ ان قرامطہ کو نابود کر کے ''قرامطہ کش فاتح'' ثابت ہو چکا تھا اس نے سندھ و ملتان سے بھی ان کا نام و نشان مٹا دیا تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ خلیفہ بغداد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یمین الدولہ (یعنی عباسی خلافت کے دستِ راست) نے سومنات کے قریب سے گذرنے والے عربوں کے تجارتی قافلوں کے لئے بحری راستہ کو بھی محفوظ بنا دیا تھا بلکہ سومنات کے بڑے بت کو ریزہ ریزہ کر کے بحری قزاقوں پر بھی قیامت ڈھا دی اور ساتھ ہی اس کے برہمنوں کا دماغ بھی درست کر دیا تھا۔ سلطان کی اس قاہرانہ ضرب کاری سے نہ صرف ہندوستان کا گوشہ گوشہ لرز گیا بلکہ اس ضرب ابراہیمی نے پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا (بلکہ توحید کا ڈنکا بھی بجا دیا تھا!) چنانچہ ''اس وقت کے دانا برہمنوں'' کی زبان سے ایسے ایسے الفاظ، جملے اور محاورے نکلے جن کی گونج عرب و عجم میں بھی سنائی دینے لگی تھی، یہ الفاظ اور یہ محاورے عربی اور فارسی میں ڈھل کر خلق خدا کی زبانی نقارۂ خدا بن کر رواں دواں ہو گئے تھے! عربی میں ڈھلے ہوئے یہ الفاظ اور محاورے حضرت داتا

Marfat.com

پیر نے بھی شام وعراق میں سنے تھے اور ان میں سے بعض کو مرشد لاہور نے کشف المحجوب کی زینت بھی (۸) بنادیا ہے!

چنانچہ حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں جنونِ محبت کی فسوں کاری پر بھی گفتگو فرمائی ہے، ہندو برہمن نے جب محبت کی گرفت اور فسوں کاری کی بات کرنا چاہی تو اس کی شدت اور طاقت کو عیاں کرنے کے لئے سلطان محمود غزنوی کی پکڑ دھکڑ اور گرفت کے سوا اسے کوئی اور قابل عبرت شدت و طاقت کا نمونہ بھی نہ مل سکا تھا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا (اور کسی عرب نے ہندو برہمن کی اس بات کو عربی زبان کا جامہ پہناتے ہوئے کہا تھا کہ) ''وَسَبْیُ الحبِ عندَ الهنودِ أظهر من سَبْیِ محمود ''یعنی ہندوؤں کے ہاں آتش محبت کی قید اور جلن تو محمود غزنوی کی پکڑ دھکڑ سے بھی زیادہ قوی اور سخت گیر ہوتی ہے!!

کشف المحجوب میں اس عبارت کے اندراج سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ داتا پیر نہ صرف یہ کہ بت شکن غزنوی کی فتوحات پر نظر رکھے ہوئے تھے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ انہیں ان زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کی فکر تھی جو سلطان کی ضرب کاری سے لرزاں تھے اور وہ ان زخمی دلوں کے لئے شفقت ورحمت محمدی، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، کی مرہم مہیا کرنے کی فکر میں بھی تھے تاکہ ان کے زخم مندمل ہوں، خوف دور ہو اور وہ اپنی رضا و رغبت سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوں جیسا کہ وہ سنٹرل ایشیا کے صوفیوں کے کارنامے اپنے وسیع مشاہدات اور سیاحت کے دوران میں ملاحظہ فرما چکے تھے!

سلطان محمود غزنوی کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شہر لاہور کو غزنوی

Marfat.com

سلطنت کا ثانوی اور ہندوستان میں تاریخ کا پہلا اسلامی دارالحکومت بھی قرار دیا تھا، دراصل یوں قدرت ربانی سے راہ ہموار ہوئی تھی مرشد لاہور کی اپنی نگری میں تشریف آوری کے لئے! چنانچہ حسن برنی کی اس رائے کی بڑی اہمیت ہے کہ ابوریحان البیرونی کو ہندوؤں کے قدیم علوم سے آگاہ ہونے کا موقع تبھی مل سکا تھا جب محمود ملتان اور لاہور کو فتح کر چکا تھا، اپنی سیاحت پاک و ہند کے دوران میں حضرت داتا صاحب نے بھی جہاں بن قاسم کے مفتوحہ علاقوں کے مسلمانوں کے حالات اور مسائل کا براہ راست مشاہدہ فرمایا تھا اور انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بن قاسم جیسے نیک اور نوجوان فاتح کے بعد برسر اقتدار آنے والے لوگ یا دمشق سے تقرر حاصل کرنے والے حکام اور گورنر بھی ان حکام اور گورنروں سے مختلف نہ تھے جو اموی دور میں بلاد ماوراء النہر میں متعین کیے جاتے رہے تھے اور جو لوگوں کے قبول اسلام پر مالیہ اور خراج کی زیادہ مقدار کو ترجیح دیتے (۹) تھے اسی لئے لوگ ان مسلمان فاتحین کے چلے جانے کے بعد اپنے شہروں کے دروازے پھر سے ان پر بند کر لیتے تھے (اور یوں گویا فتح کے بعد انغلاق یعنی دروازے کھلنے کے بعد پھر سے دروازے مسلمانوں کے لئے بند بھی ہوتے رہے تھے!!) مگر جب اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام نے سنٹرل ایشیا کے ان لوگوں کو حقیقی روح اسلام اور مکارم اخلاق نبوی اور اسلامی اخوت و مساوات سے روشناس کرا دیا تو وہ لوگ بھی اسلام پر ثابت قدم اور پختہ عزم کے ساتھ جم کر عمل پیرا ہو گئے تھے، گویا حضرت داتا پیر تئیس سالہ عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے عہد سے پوری طرح آگاہ ہو کر حقیقی روح اسلام کو بھی سمجھ گئے تھے اسی طرح انہیں سلطان محمود کے مفتوحہ ہندوستان کے لوگوں

Marfat.com

کے حالات اور انجام سے بھی آگاہی حاصل ہو چکی تھی اور یوں آپ نے بن قاسم اور غزنوی ، دونوں ، کے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی پریشانیوں اور مشکلات کا اندازہ بھی لگا لیا تھا، اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ لاہور میں رہ کر نہ صرف علاقے کے لوگوں کے دلوں کو فتح کریں گے، انہیں حقیقی روحِ اسلام سے روشناس کریں گے بلکہ باقی ماندہ ہندوستان کے لوگوں کے لئے بھی لاہور کو رہنمائی کا مرکز و محور (قطب الارشاد) بنا دیں گے! اس طرح حضرت مرشد لاہور کی اپنی نگری میں تشریف آوری سے لاہور سمیت تمام برصغیر کے لوگوں کو حقیقی روحِ اسلام سے شناسائی نصیب ہوئی اور وہ دار ارقم مکہ مکرمہ اور پھر صفۂ مسجد نبوی مدینہ منورہ میں تزکیہ نفوس اور سیرت سازی والی دعوت حق سے بھی آگاہ ہوئے، انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین حق کی اصل روح شفقت و رحمت اور اہلیت و صلاحیت کا احترام ہے، محض طاقت و اقتدار سے انسانوں کو مسلمان بنانا اور پھر انہیں دبا کر رکھنا یا مالیہ و خراج سے لوگوں کا استحصال کرنا اسلام کی روح کے قطعی خلاف ہے، اخوت اور مساوات ہی اسلامی معاشرہ کی حقیقی روح ہے، حکمرانی کا حق بھی جمہور مسلمین کی آزادانہ رائے سے وابستہ ہے، حکومت کا قیام اور بقا دونوں ہی عوامی تائید کے محتاج ہیں! موروثیت کی دھونس اور دھاندلی تو یزیدیت ہے جسے اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام مسترد کرتے ہیں جمہور عوام کی رائے اور تائید کے حصول کا ذریعہ اور عملی طریقہ کوئی بھی ہو، اس کی اصل صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ جمہور عوام کی رضا و رغبت کیا ہے، یہ صدارتی جمہوریت کی صورت میں ہو یا پارلیمانی جمہوریت یا کوئی تیسری شکل ہو، اس سے غرض نہیں۔ اصل غرض ہے تو اہلیت و صلاحیت کے احترام اور

Marfat.com

عدل وانصاف کی پیروی سے ہے! داتا پیر کی تعلیم بھی یہی ہے اور آپ کا ذاتی عمل و کردار بھی یہی تھا! اسی لئے تو مرشد لاہور نے کسی کو بھی اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا! آپ کے نزدیک قابل عمل و قابل تقلید نمونہ صرف اور صرف نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کا اسلوب حیات اور نظام حکومت ہے، یہی نظام اور یہی اسلوب اور نظام شریعت بھی ہے اور طریقت (۱۰) بھی!

سید علی ہجویری مرشد لاہور، رحمۃ اللہ علیہ، نے برعظیم پاک و ہند کے اولیاء اللہ اور اصحاب طریقت کے لئے جو عملی مثال اور نمونہ قائم فرمایا تھا بعد کے اولیاء اللہ نے اسے ہی اپنایا، ولایت و سیادت کا معیار موروثیت نہیں صرف اور صرف اہلیت و صلاحیت قرار پائی اور اس کا فیصلہ جمہور کی اکثریت نے کرنا ہوتا ہے! ورثہ میں بھی اگر کسی اولاد ولی اللہ کو یہ اہلیت اور صلاحیت نصیب ہو جائے تو یہ تو سونے پر سہاگہ کے مترادف ہے! لیکن موروثی آمریت یزیدیت کا دوسرا نام ہے! قوموں اور انسانی معاشروں کے لئے سب سے بڑی نحوست اور بربادی کا سرچشمہ یہی موروثی آمریت رہی ہے! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی نئے بادشاہی خانوادہ کی بنیاد رکھنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے نہ آپ کی بعثت کا مقصد پھر سے لوگوں کو قبائلی نظام یا خانہ بدوشی کی زندگی کے سپرد کرنا تھا بلکہ آپ تو اخوت اور مساوات کا دین اسلام پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے (اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اموی گورنر کو سمجھائی تھی جو مالیہ و خراج کو لوگوں کے قبول اسلام پر ترجیح دینے کا قائل تھا) اور شورائی جمہوریت پر قائم ہونے والی ایک تیسری نوعیت کی حکمرانی عطا فرمانے کے لئے آئے تھے اور یہ تیسری نوع تھی اہلیت و

Marfat.com

صلاحیت کو اپنانا اور پھر اسی اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر ہی جمہور عوام کی آزادانہ رائے اور مشاورت سے معاملات طے کرنا، جو حقیقی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، اسی کو داتا پیر نے اپنی تعلیم اور عمل سے رواج دیا! یہی نمونہ تھا جسے بعد میں آنے والے چشتی بزرگوں نے بھی اپنایا! حضرت خواجہ اجمیر سے لیکر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تک تمام چشتی سلسلہ طریقت اسی معیار اہلیت وصلاحیت کا پابند رہا اور برعظیم کے مسلمانوں کو بھی ان چشتی بزرگوں نے یہی عملی پیغام دیا کہ اصل فلاح اور حقیقی بقا کا دارومدار اہلیت وصلاحیت کے معیار کو قائم اور باقی رکھنے پر ہے اور یہ قیام وبقا صرف اور صرف جمہور عوام کی آزادانہ رائے کا احترام ہے! قائداعظم محمد علی جناح نے جب یہ کہا تھا کہ مسلمان تو اپنے دینی معاملات میں بھی جمہوری انداز رکھتے (۱۱) ہیں تو ان کے سامنے بھی حضرت داتا صاحب اور ان چشتی بزرگوں کے یہی عملی نمونے ہی ہونگے جو ہمیں حقیقی روح اسلام سے میسر آئے اور اسی جمہوری اصول پر پاکستان بھی قائم ہوا جس میں جمہور اور بےلوث قیادت ہی کا اصل کردار تھا اس لئے ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مرشد لاہور سید علی ہجویری، رحمۃ اللہ علیہ، نے برعظیم پاک وہند میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ روایت بھی ایک امانت کے طور پر منتقل کردی جو عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے زیر سایہ ایک نظام عمل کی شکل میں انسانیت کو عطا ہوئی تھی مگر جسے یزیدی موروثیت نے روم وایران کی شہنشاہیت کا رنگ دے دیا تھا لیکن سیدنا حسین بن علی، رضی اللہ عنہما، کی شہادت عظمٰی نے اسے ٹھکرا دیا تھا اور جسے پھر اہل بیت کرام اور صوفیہ عظام نے ہمت وعزیمت کے ساتھ سنبھال لیا تھا، سید علی ہجویری کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بتکدۂ ہند

Marfat.com

میں اسی حقیقی روح اسلام کی امانت کو صحیح وسلامت عام کر دیا، پھر حضرت خواجہ اجمیر سمیت چشتی صوفی بزرگوں نے اسے زندہ و پائندہ بنا دیا اسی لئے حضرت داتا پیر ہی جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان بننے کا حق رکھتے ہیں اور خواجہ اجمیرؒ کا اپنا عمل اور اعلان بھی اس کی تائید کے لئے شاہد عدل ہے! اور یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ نہ صرف برعظیم کی ملت اسلامیہ بلکہ تمام عالم اسلام کی کامیابی بھی اس اصول کی پیروی میں مضمر ہے کہ اس اہلیت وصلاحیت کو ہی معیار مانا جائے جسے جمہور عوام کی آزادانہ تائید حاصل ہو۔ اگر واقعی اہل بیت اور حق پرست صوفیۂ عظام نے ''وشاورھم فی الامر '' (یعنی حکمرانی میں جمہور مسلمین سے مشاورت جاری رکھئے) والے نظام مصطفیٰؐ کے تحفظ اور بقا کے اہتمام کو ہی اپنا نصب العین بنائے رکھا ہے (اور یقیناً بنائے رکھا (۱۲) ہے!) تو پھر داتا پیر نے ہمیں عملی پیغام بھی یہی دیا ہے اور بلاشبہ دیا ہے جسے چشتی بزرگوں نے بھی پروان چڑھایا ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جنوبی ایشیا میں اسلامی تاریخ کا سرعنوان بھی یہی ایک ''خراسانی و افغانی عرب''! یہی سید زادہ ہی ہے جسے ہماری زبانیں ''سید علی ہجویری'' اور ''داتا پیر'' یا مرشدِ لاہور کہتے ہوئے راحت وسرور سے ہمکنار ہوتی ہیں! رحمہ اللّٰہ ورحم اخوانہ الصوفیۃ الکرام!!

Marfat.com

## حوالے اور حواشی

١۔ الکامل لابن الاثیر ۶/۷۷،محاضرات الخضری ۱/۱۲۳، تاریخ الاسلام السیاسی ۳/۱۱۵۔

٢۔ الأعلام للزرکلی ۷/۳۱۳۔

٣۔ شیخ ابوالفضل ختلی ص۳۲۔۳۴، تاریخ الیمینی ص۲۱۶۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ فتوح البلدان ۲/۳۱۵، الکامل لا بن الاثیر ۶/۷۹، تاریخ ادبیات ۲/۱۳۳۔

۶۔ الطبری ۳/۱۲۴، نفح الطیب ۱/۱۲۵، افتتاح الاندلس ص ۱۱۴۔

۷۔ تاریخ الیمینی ص ۲۷۵، الفرق بین الفرق ص۷۳، مقالات الاسلامیین ص۱۲۸۔

۸۔ کشف عابدی ص ۲۵۲،۲۵۳۔

۹۔ شیخ ابوالفضل الختلی ص۳۲۔

١٠۔ الحکم المطلق فی القرن العشرین للعقاد ص۲۳، مرآۃ الاسلام ص ۱۱۵۔

١١۔ قائداعظم کے بیانات وتقاریر۔

١٢، سید ھجویر از مولانا محمد متین ہاشمی ص۷۳۔

Marfat.com

# حاشیہ کشف المحجوب از عبدالغفور

ڈاکٹر معین نظامی
چیئرمین شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

کشف المحجوب تصوّف و عرفان کے موضوع پر حضرت سیّد علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخشؒ (م ۴۶۵ھ) کی نادرِ روزگار اور مشہورِ زمانہ کتاب ہے۔ اس کے مطالب کی جامعیت اور استناد اور اس کے اسلوبِ نگارش کا توازن و اعتدال اسے علمِ تصوّف کی معتبر دستاویز بناتا ہے۔ یہ کتاب اپنے زمانۂ تألیف ہی سے علما، صوفیہ اور محققین کا اہم مأخذ چلی آ رہی ہے اور ہر دور میں اس کا علمی، تحقیقی اور روحانی دائرۂ استفادہ خاصا وسیع رہا ہے۔

دنیا بھر میں کشف المحجوب کے ستّر کے قریب قلمی نسخے موجود ہیں جن میں سے بعض غیر معمولی اہمیّت کے حامل ہیں اور اس کی بعض اہم علمی و تحقیقی اشاعتوں کی بنیاد بنتے رہے ہیں۔ عربی، ترکی، انگریزی، اردو، روسی، پنجابی، سندھی اور پشتو زبانوں میں اس کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ اردو میں تو اس کے تراجم کی تعداد بیس سے متجاوز ہے۔ ابھی تک اس کے فارسی متن کی سات علمی و تحقیقی اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں اور بہ قیاسِ غالب اس کی تدوینِ متن کا یہ سلسلہ بھی جاری رہے گا۔

اسلامی علوم و فنون کی تاریخ میں اہم کتابوں کی حاشیہ نگاری اور شرح نویسی کی روایت بہت زرخیز رہی ہے اور اکابر علما اور دانشوروں نے ممتاز عربی و فارسی متون پر حاشیہ آرائی اور شرح نگاری کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حاشیے اور شرحیں خود متن سے زیادہ مفید اور مقبول ہوئیں اور اپنے اصلی ناموں کے بہ جائے اپنے مؤلفین کی نسبت سے دیے گئے عرفی ناموں سے مشہور ہوئیں۔ اسی طرح بہت سے علما، فضلا اور مصنفین کا میدانِ تخصّص ہی یہ شعبے رہے اور ان کی بنیادی شہرت

Marfat.com

ہی حاشیہ نویس یا شارح کی ہے۔ ہماری قدیم علمی و درسی روایت میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض حاشیوں اور شرحوں کا انداز محققانہ، مفصّل اور تقابلی مطالعات پر مبنی ہے جب کہ کچھ حاشیے اور شرحیں محض طلبہ اور مدرسین کی تعلیمی ضرورتوں کے پیشِ نظر لکھی گئی ہیں اور ان میں الفاظ کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کے بیان اور متن کے مزعومہ مشکل مقامات کی تسہیل کو مرکزِ توجہ بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی اپنی اہمیت و افادیت ہے جس سے مجالِ انکار نہیں ہے۔

کشف المحجوب کے ضمن میں اس حوالے سے ایک تعجب انگیز حقیقت سامنے آتی ہے کہ طبقۂ علما و مشائخ میں یکساں مرغوب و مقبول اس اہم عرفانی متن پر حاشیہ نویسی اور شرح نگاری کی طرف ہمارے اصحابِ علم و فضل کی توجّہ بہت کم رہی ہے اور گذشتہ صدیوں میں پورے عالم اسلام میں اس کی ایک بھی عربی یا فارسی شرح نہیں لکھی گئی یا اگر تصنیف ہوئی تو سامنے نہیں آئی (بہت بعد میں کہیں بیسویں صدی کے اواخر میں اردو میں ایک شرح البتہ لکھی گئی)۔ عوارف المعارف، آداب المریدین اور ایسے دیگر متون کی بہت سی شروح ملتی ہیں۔ کشف المحجوب کی حاشیہ نویسی کے حوالے سے بھی زیادہ خوش کن اور حوصلہ افزا صورتِ حال سامنے نہیں آتی۔ نجانے کیا موانع حائل رہے کہ اس کی حاشیہ نویسی کی جانب بھی اتنا اعتنا نہیں کیا گیا جتنا ضروری بھی تھا اور یہ کتاب مستطاب بجا طور پر اس کا استحقاق بھی رکھتی تھی۔ گذشتہ ایک ہزار سال میں جہاں بیسیوں اسلامی و مشرقی متون کے بہ کثرت حاشیے لکھے گئے، وہاں کشف المحجوب کے صرف ایک مختصر حاشیے کا سراغ ملتا ہے اور معلومہ حد تک اس کا بھی صرف ایک ہی قلمی نسخہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکا ہے!

اس حاشیۂ کشف المحجوب کے مصنف عبدالغفور ہیں جنھیں معروف حاشیہ نویس عبدالغفور لاری سمجھا جاتا رہا[1]۔ لاری کے تحریر کردہ بعض حواشی

Marfat.com

بہت مشہور اور مقبول ہیں۔ غالباً لاری کی یہی شہرت حاشیہ کشف المحجوب کے ان سے انتساب کا سبب بنی۔ قدیم و جدید محققین میں سے بہت کم لوگوں نے اپنی تصانیف اور تحقیقی مقالات میں اس حاشیے اور اس کے مصنف کو درخورِ اعتنا سمجھا ہے جس کے سبب سے اس کا ذکر بھی مخصوص حلقوں تک محدود رہا۔ یہ حاشیہ کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد میں شمارہ ۴۰۷۵ کے تحت محفوظ ہے۔

مؤلف حاشیہ نے اپنا تعارف اور سببِ تألیف یوں بیان کیا ہے:

> می گوید شکستۂ نامراد، ترابِ اقدام فقرا عبدالغفور هر چند از جهتِ جهالتِ خویش به جهتِ قلّتِ علم و حال مناسبت نداشتم و شرمنده بودم امّا هر روز تقدیر بر تعلیقِ کلمات بر کشف المحجوب آورده.[۲]

انھوں نے اس حاشیہ نویسی کے حوالے سے اپنی ''قلّتِ علم و حال'' اور ''عدمِ مناسبت'' کا جو ذکر کیا ہے، وہ محض ایک مبنی بر انکسار بیان ہے ورنہ ان کا صاحبِ علم اور اہلِ حال ہونا اور تصنیفی و تألیفی سرگرمیوں سے ان کی طبعی مناسبت اسی گراں قدر حاشیے کے صفحے صفحے سے ظاہر و باہر ہے۔ وہ عربی اور فارسی میں اپنے مافی الضمیر کے ابلاغ پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے عربی و فارسی کے اہم منابع سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے جس سے ان کی پختگیِ علم و مطالعہ ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے منابع میں امّہاتِ کتبِ تصوّف سے استناد و استشہاد کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کتبِ تصوّف کے مطالعے سے خاص شغف تھا اور انھوں نے دقّتِ نظر اور تعمّق سے عرفانی متون کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ کشف المحجوب کے مطالب کا غیر معمولی استحضار بھی جس کا انھوں نے کئی مقامات پر مظاہرہ کیا ہے،

Marfat.com

اس کتاب سے ان کی دل چسپی کے ساتھ ساتھ ان کی فعال قوتِ حافظہ اور درّاک استدلالی ذہن کا ثبوت ہے۔

عبدالغفور اپنی روحانی وابستگی کے حوالے سے بھی ایک اہم اطلاع فراہم کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے اور ان کا شجرۂ طریقت پندرہ واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ تک پہنچتا تھا:

و این مسکین مریدِ معتقدِ حضرت میران شیخ عبدالقادر[است] بخمسة عشر و سائط.[۳]

سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہونے کی بنا پر بانیِ سلسلۂ قادریہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ سے مصنّف کی ارادت وعقیدت بدیہی ہے چنانچہ انھوں نے اپنے حاشیے میں مختلف مناسبتوں سے چار پانچ دیگر مقامات پر بھی ان کا ذیلی ذکر کیا ہے[۴]۔ مصنّف نے اپنے شیخ کا نام یا تعارف نہیں لکھا البتہ قبض و بسط کی بحث میں ان کا ایک قول ضرور نقل کیا ہے[۵]۔ اگر وہ اپنے شیخ طریقت یا شجرۂ طریقت کا کچھ مذکور کر دیتے تو ان کی شخصیت اور دور کی تعیین میں بہت مدد مل جاتی۔

معروف ایرانی محقق ڈاکٹر محمود عابدی نے متنِ حاشیہ میں موجود متعدد داخلی قرائن کے پیشِ نظر مصنّف کا دورِ حیات گیارہویں صدی ہجری قرار دیا ہے[۶]۔ کتاب کا زمانۂ تالیف بھی یہی ہے۔ متنِ حاشیہ سے مصنّف کی ذاتی زندگی کے بارے میں مزید کوئی معلومات نہیں ملتیں۔

حاشیہ نویسی کے ضمن میں عبدالغفور نے کچھ طے شدہ اصول بیان نہیں کیے بلکہ جن مقامات پر انھوں نے کسی بھی وجہ سے ضروری جانا، وہاں حاشیہ نگاری کی ہے[۷]۔ اگرچہ اکثر و بیشتر توضیحی و تشریحی عبارات مختصر ہیں لیکن مفید ہیں اور فارسی اور عربی پر مصنّف کی قدرتِ بیان کا بھرپور اظہار کرتی ہیں۔

عبدالغفور نے آغاز ہی میں، مختصر دیباچہ نما حصّے میں حضرت ہجویریؒ کے

Marfat.com

بارے میں کچھ مختصر معلومات دی ہیں جن میں کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کشف المحجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنّف حنفی مسلک کے تھے اور جنیدی مشربِ طریقت میں حضرتِ حصریؒ کے مرید تھے [8]۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ابوالحسن علی بن ابراہیم حصریؒ (م ۳۷۱ھ) تو حضرت ہجویریؒ کے دادا پیر تھے۔ حضرت ہجویریؒ کے مرشدِ مکرم شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختّلی [9] (م ۴۵۳ھ کے لگ بھگ) تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ تک حضرتِ ہجویریؒ کا سلسلۂ طریقت یوں ہوگا:

حضرت ہجویریؒ، حضرت ابوالفضل ختّلیؒ، حضرت ابوالحسن حصریؒ، حضرت ابوبکر شبلیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ۔

عبدالغفور مزید بتاتے ہیں کہ حضرت ہجویریؒ شیخ ابو سعید ابوالخیر میہنیؒ (م ۴۴۰ھ) اور استاد ابوالقاسم قشیریؒ (م ۴۶۵ھ) کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے حضرتِ ہجویریؒ کا سالِ وفات ۴۶۵ھ لکھا ہے اور یہ وہی سال ہے جسے اکثر محقّقین نے ترجیح دی ہے اور اب اسی سال کو خواص و عوام میں حضرت ہجویریؒ کے سالِ وفات کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں ان کے اپنے الفاظ نقل کر دینا بھی خالی از فائدہ نہیں ہوگا:

> تاریخ وفاتِ سیّد الفقراء و سندالاتقیاء سیّدنا و مولٰینا مرجعِ اولیاءِ بقعۂ لهانور شیخ علی بن عثمان الجلّابی الهجویری سنه خمس و ستّین و اربعمأیه بوده. [10]

اس کے بعد فہرستِ مطالب دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں صاحبِ حاشیہ لکھتے ہیں:

> پیشِ از شروع در مقصود، فهرستِ کتاب می

Marfat.com

نویسم، در بعضی جا به لفظِ مصنّف و در بعضی جا به اعتبارِ حاصلِ معنی تا دریافت آسان گردد۔[۱۱]

کشف المحجوب کے باب سیزدہم فی ذکر رجال الصّوفیة من المتأخّرین علی الاختصار من اهل البلدان کے عنوان کے بعد وہ لکھتے ہیں:

ترتیبِ ذکرِ ایشان از جهتِ مرتبه یا از جهتِ توزیع، یعنی ترتیبِ بعضی از جهتِ زمان و بعضی از جهتِ مرتبه و بعضی از جهتِ هر دو۔[۱۲]

اسی طرح باب پانزدہم کے عنوان کے بعد تحریر کرتے ہیں:

نکته: اقسامِ مذکوره را نام به "فصل" و "باب" کرده نه به "کشف الحجاب" چنانچه مقتضی نامِ کتاب بود و اقسامِ آینده را نام به "کشف الحجاب" کرده۔[۱۳]

مزید توضیحی عبارت ملاحظہ کیجیے:

نیز بدان که مصنّف چارده خانواده ذکر کرده است. از این، چهار مبطله: دو اصل و دو تابع، و ده حصّه را از تبع تابعین ذکر کرده است. و پیش از تبع تابعین از جهتِ غلبهٔ حق و صدق همه کس تابعِ صحابه و تابعین بوده اند. چون صدق ضعیف شد، همه کس مذهب گرفتند. فقها چهار مذهب شدند، هریکی را دیگری مخالف در اصول و فروع، هر چند که همهٔ فقها هفت مذاهب اند. و

Marfat.com

صوفیان ده مذاهب شدند، هریکی با دیگری مخالف در اصول و فروع، هر چند که همه صوفیان بسیار مذاهب اند. چنانچه در این زمانه خانوادهٔ حضرت خواجه معین الدین چشتی و خواجه بهاء الدین نقشبند و مخدوم بهاء الدین ملتانی و حضرت میران شیخ عبدالقادر گیلانی می شمرند.[۱۴]

مخطوطے کے ص ۲۰ سے حاشیے کے فوائد شروع ہوتے ہیں۔ ''قال'' کے تحت کشف المحجوب کی عبارت دی گئی ہے اور بعد میں عبدالغفور کی توضیحی و تشریحی عبارات ہیں جن میں بنیادی طور پر ابلاغ اور اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ عبارتیں فارسی و عربی دونوں زبانوں میں ہیں۔ عبدالغفور اپنی رائے کو متن سے ممتاز کرنے کے لیے کوئی خاص لفظ یا عبارت نہیں لکھتے البتہ چند مقامات پر ''بندۂ مسکین چنان می داند'' کی عبارت ملتی ہے[۱۵]۔ حاشیہ نگاری کے نمونے کے طور پر چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱)

کشف المحجوب: تبدیلِ ذات اندر حکمِ غریب و بدیع باشد، و اندر عین نا ممکن، امّا تبدیلِ صفت، چنان که هست، روا باشد.[۱۶]

حاشیهٔ عبدالغفور: غریب و بدیع باشد لیکن ممکن الوجود باشد، چه تبدیلِ ذاتِ آهن به داروی کیمیا به زرمبدّل می گردد. یا آن که شخص که ذاتِ وی حجابِ حق باشد تا به انفاسِ قدسی مبدّل گردد، می توان گفت که [به] داروی کیمیا خوب زرنگردد، لا تبدیل

Marfat.com

لخلق الله. و در بابُ آدابهم فی السَّفَر مذکور است که قدرت بر تبدیلِ عین جز حق مطلق را نه. و قد ورد: قالَ القها یَا موسیٰ، و امم سابق را مسخِ صورت بود و این امّت را از مسخ صورت در این جهان نگاه داشته است و در آخرت خواهد بود. و مسخِ معنی در دل در دنیا برای این امّت هم هست.[17]

(۲)

حضرت ہجویریؒ نے باب اثبات العلم میں علم حقیقت کے تین رکن: اللہ کی ذات کا علم، اللہ کی صفات اور ان کے احکام کا علم اور اللہ کے افعال اور ان کی حکمتوں کا علم اور علم شریعت کے تین رکن: قرآن، سنّت اور اجماعِ امت بیان فرمائے ہیں[18]۔عبدالغفور اس ضمن میں لکھتے ہیں: در کتبِ فقه مذکور است که ایمانِ مجمل را دو رکن است و مفصّل را هفت رکن، و شرایط ایمان سه چیز، و حکم ایمان یك است. و [از] ارکانِ شریعت، قیاس هم شمرده اند.[19]

(۳)

باب اثبات العلم ہی میں سوفسطائیہ کا ذکر آیا ہے[20]۔عبدالغفور نے اس ضمن میں مولانا جامیؒ کی ایک رباعی نقل کی ہے:

سوفسطایی که از خرد بی خبر است　　گوید که خیال عالم اندر گذر است
آری همه عالم چو خیال است ولی　　پیوسته در او حقیقتی جلوه گر است[21]

(۴)

کشف المحجوب: فی الجمله درویش در کلّ معانی فقر عاریت است و اندر کلّ اسباب اصل بیگانه...[22]

Marfat.com

**حاشیهٔ عبدالغفور** : معنی دیگر آن که همهٔ مقاماتِ اولیاء عاریت است، اگر بخواهند بگیرند و اگر بخواهند بدهند، و دلیل بر این حکایت شیخ صنعان است. و صدّیقِ اکبرؓ هم گفته: احوالنا عارية. و آنچه گفته اند: فانی را زوال نیست، مراد آن است که او را البته تنبیه نمی کنند و هنگام اخراج از مقامِ فنا هم علمِ مقام بود لیکن عیان رود. و این نیست که مقاماتِ همه اولیا عاریت است و فرق ظاهر است. و این هم نتوان گفت که مقاماتِ انبیاء همه عاریتی باشد و قصهٔ ایّوب ویونس و ابراهیم، علیهم السلام، دلیل است بر این و مصنّف، رحمه الله، تصریح کرده است بر این **فی الکلام فی اظهار جنس المعجزة علیٰ ید من یدعی الالٰهیه** و نیز تصریح کرده در فصل دوم از باب **المحبة و مایتعلّق بها** . بدان که مراد از اخذِ مقامات اخذِ اذواقِ مقامات است والّا نفسِ مقامات را زوال نبود. وچون ذوقِ مقامات رفت، آثارِ مقام هم رود که علامتِ قبولیت همین ذوق است. پس اگر از عالم مقامِ علم گیرند، ذوق و طراوتِ علم از وی برود، نه آن که با لکلیّه جاهل گردد، که این محال است.[۲۳]

(۵)

کشف المحجوب: هر که از هوی بریده باشد، با خداوند آرمیده باشد. پس همه خلق تویی اندر حقِّ تو، چون از خود اعراض کردی، از همه اعراض کردی.[۲۴]

حاشیهٔ عبدالغفور: ظاهر آن است که از خلق بگذر و از خود بگذر تا به حق برسی و لیکن تحقیق آن است که از خلق گذشتن به غیرِ گذشتن از خود نبوَد. پس از خود بگذر تا از خلقِ بگذری و موجدِ خلق را و خلق را

Marfat.com

نگری. پس خلق ترا حجاب نبَود از حق. و اگر از خود نگذری به حق هرگز نرسی. پس صحبتِ خلق بهرِخدا بهتر بود از صحبت به خود بهرِ هوای نفس.[۲۵]

حاشیۂ عبدالغفور کے منابع میں تفسیر بیضاوی (ص ۶۵)، خزانۃ الروایات (ص ۱۶۷) اور النّہایہ شرح الهدایہ (ص ۱۶۷) جیسے دینی وفقہی متون اور تذکرۃ الاولیاءِ عطّارؒ (صص ۳۰، ۱۵۳)، لوائح جامیؒ (ص ۳۱)، نفحات الانسِ جامیؒ (صص ۸۹، ۱۰۰، ۱۲۷)، فتوحاتِ مکیۂ ابن عربیؒ (ص ۷۸، ۱۶۰)، فصوص الحکم ابن عربیؒ (ص ۱۳۳)، عوارف المعارفِ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (صص ۸۳، ۱۵۲، ۱۵۳)، نقد الفصوص (صص ۹۵، ۹۸، ۱۳۳، ۱۳۴) اور مثنوی سلسلۃ الذّهبِ جامیؒ ص ۱۳۶) جیسے اہم عرفانی متون شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مصنّف نے عین القضاۃ ہمدانیؒ کے آثار (صص ۳۱، ۱۳۳)، قول بایزید بسطامیؒ (ص ۶۰)، کلام مولانا جلال الدین رومیؒ (ص ۱۳۳)، اقوال شیخ محیی الدین ابن عربیؒ (صص ۸۳، ۱۳۰، ۱۳۳) اور قولِ بوعلی سینا (ص ۱۵۶) سے بھی استشہاد کیا ہے۔ حاشیۂ عبدالغفور میں شیخ فریدالدین عطّارؒ (صص ۱۵۱، ۱۶۲)، حافظ شیرازیؒ (صص ۱۲۹، ۱۶۶) اور مولانا جامیؒ (ص ۳۱) کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبدالغفور کو مکتبِ ابنِ عربیؒ کے آثار سے خصوصی دل چسپی تھی اور اس ضمن میں ان کے مطالعات گہرے اور محقّقانہ تھے۔ ان کے پختہ شعری ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے، گو تشریحی وتوضیحی عبارات میں وہ کثرت سے اشعار درج کرنے کے عادی نہیں ہیں اور صرف وہیں اشعار لکھتے ہیں، جہاں ناگزیر جانتے ہیں۔

حاشیۂ عبدالغفور کا واحد معلومہ قلمی نسخہ کافی مغلوط ہے۔ قیاساً بارھویں صدی ہجری میں شکستہ آمیز نستعلیق میں لکھے گئے اس نسخے کا کاتب اپنے فن

Marfat.com

میں پختہ اور تجربہ کار تو ہے لیکن زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے یا دقّتِ نظر سے کام نہیں لیتا اور سہل انگاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کتابت میں جن انواع کی اغلاط کا امکان ہو سکتا ہے، کم و بیش وہ سب اس میں موجود ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارات خطِ نسخ میں لکھی گئی ہیں جنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نسخ نویسی میں کاتب زیادہ پختہ کار نہیں ہے۔ الفاظ و عبارات میں بہت سے نواقص رہ گئے ہیں، اکثر مقامات پر ذیلی عنوانات کی جگہ خالی ہے اور یہ تمام مسائل اس متن کو کافی مشکل بناتے ہیں۔

حاشیۂ عبدالغفور کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے اور اس پر شایانِ شان تحقیق کی ضرورت ہے[۲۶]۔ بلاشبہ اس سے کشف المحجوب کے بعض مطالب کی بہتر تفہیم میں مدد ملے گی۔

Marfat.com

# منابع وحواشی

۱۔ لاہور عجائب گھر، لاہور کے ذخیرۂ مخطوطات میں موجود کشف المحجوب کے ایک نسخے (شمارہ: ف ۹۰۸) کے تین چار مختلف صفحات پر چند مختصر حواشی لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ اس کی کتابت ۲۶۔ رمضان ۱۲۰۳ھ کو مکمل ہوئی تھی۔ کاتب یا مقام کتابت معلوم نہیں ہے۔ نسخے کے پہلے صفحے پر مکتوبہ حاشیے کے آخر میں بہ صراحت ''مولانا عبدالغفور لاری'' لکھا گیا ہے جو یقیناً نادرست ہے۔ البتہ اس سے یہ ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ حاشیۂ عبدالغفور کے نسخے لوگوں کی دسترس میں تھے اور مصنف کو عبدالغفور لاری ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس نسخے میں اگر عبدالغفور کے تمام حواشی نقل کر دیے جاتے تو حاشیۂ عبدالغفور کا کم از کم ایک اور نسخہ ضرور محفوظ ہو جاتا اور محققین کے کام آتا۔

۲۔ عبدالغفور، حاشیۂ کشف المحجوب، کتابخانۂ گنج بخش، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، شمارۂ ۵۷۴۰، صص ۲،۳۔

۳۔ عبدالغفور، ص ۱۶، ممتاز ایرانی محقق ڈاکٹر محمود عابدی نے اسی اشارے کی بنیاد پر عبدالغفور کو ''از صوفیان قادری'' لکھا ہے: کشف المحجوب، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات از دکتر محمود عابدی، سروش، تہران، ۱۳۸۳ش، ص پنجاہ و چہار۔ ہجویری شناسوں میں ڈاکٹر محمود عابدی ہی وہ پہلے اور تا حال واحد محقق ہیں جنھوں نے عبدالغفور اور ان کے حاشیے پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے اور اپنے تدوین کردہ متنِ کشف المحجوب کی تعلیقات میں کئی مقامات پر حاشیۂ عبدالغفور کے منتخب مندرجات سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ عبدالغفور، صص ۱۶، ۲۸، ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۹۲۔

Marfat.com

۵۔ عبدالغفور، ص ۱۶۳۔
۶۔ محمود عابدی، دکتر، کشف المحجوب (مقدمہ)، ص پنجاہ و چہار۔

۷۔ ڈاکٹر محمود عابدی کے الفاظ میں:
حاشیۂ او چنان است کہ گویی کشف المحجوب را خوانده و تنها آنچہ را کہ بر خلاف نظرِ خویش دریافتہ، توضیح داده است: محمود عابدی، کشف المحجوب (مقدمہ)، ص پنجاہ و پنج۔
۸۔ عبدالغفور، ص ۳۔
۹۔ ان کے احوال کے لیے ملاحظہ کیجیے:
ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، شیخ ابوالفضل خُتّلی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۱ء، ۱۸۳ص۔
۱۰۔ عبدالغفور، ص ۳۔
۱۱۔ عبدالغفور، صص ۳، ۴۔
۱۲۔ عبدالغفور، ص ۱۲۔
۱۳۔ عبدالغفور، صص ۱۴، ۱۵۔
۱۴۔ عبدالغفور، صص ۳۰، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۲۵۔
۱۵۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات از دکتر محمود عابدی، ص ۸۔
۱۶۔ عبدالغفور، ص ۲۶۔
۱۷۔ ہجویری، ص ۲۱۔
۱۸۔ عبدالغفور، صص ۳۱۔
۱۹۔ عبدالغفور، صص ۳۱۔
۲۰۔ ہجویری، ص ۲۳۔

Marfat.com

۲۱۔ عبدالغفور، صص ۳۱، ۳۲۔

۲۲۔ ہجویری، ص ۴۱۔

۲۳۔ عبدالغفور، صص ۴۵، ۴۶، ۴۷۔

۲۴۔ ہجویری، ص ۱۵۹۔

۲۵۔ عبدالغفور، صص ۴۷، ۷۵۔

۲۶۔ شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی ڈاکٹریٹ کی طالبہ محترمہ فضیلت زہرا (تعلیمی دورانیہ ۲۰۰۹-۲۰۱۴ء)، جناب ڈاکٹر شعیب احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کے موضوعِ تحقیق کے طور پر اس کی تدوین کر رہی ہیں۔

Marfat.com

# سیّدِ ہجویر کے منہجِ دعوت کی اساس

ڈاکٹر سیّد محمد قمر علی زیدی

پروفیسر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

شخصیت کے ظاہری اور باطنی نکھار کے لئے خدائی ہدایات میں اہم ترین ہدایت تصفیہء قلب ہے۔قلب کی کائنات میں جو وسعت ہے اس کا انکار کسی طرح بھی ناممکن ہے۔قرآن شریف میں انسان کامل کی تربیت کے جو اصول بیان ہوئے ہیں ان میں تدبر و تفکر کی بنیادی حیثیت ہے۔افلا یتدبرون القرآن اَم عَلی قلوبِ اقفالھا۔(۱)

''کہ وہ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے تو کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں''۔

نفس و روح کا باہمی تعلق قلبی قوتوں ہی سے جڑا ہوا ہے۔اس لئے قلب کی مرکزیت کو نباضِ کونین ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا کہ:''جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنورتا ہے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم خرابی کا شکار ہو جاتا ہے اور آگاہ رہو کہ وہ لوتھڑا دل ہے''۔(۲)

وہ انسان جو نیابتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور مقامِ اشرفیت کا حامل ہوتا ہے اسکا جوہرِ انسانیت اخلاص کی قوت سے معمور ہوتا ہے۔اگر اخلاص کی قوت کا فقدان ہو تو انسانیت کے تقاضے کسی طرح بھی پورے نہیں ہوتے۔اخلاص کا مرکز بھی کائناتِ قلب میں مرکزی مقام پر واقع ہوتا ہے۔

جو لوگ اخلاص کی اس قوت سے باخبر ہوتے ہیں اور اس قوت سے فیضیاب ہوتے ہیں بلکہ اس قوت کے اثرات کو اپنی ذات پر غالب رکھتے ہیں، وہی لوگ: اولٓئك ھم المؤمنون حقا (۳) کا مصداق ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مقامِ اخلاص میں اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اخلاص کے باب میں وہ کامل اور جامع مثال بن جاتے ہیں اور فیضانِ اخلاص کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔وہ عبادالرحمن الذین یمشون عَلی الأرض ھونا (۴) کا مصداق ہوتے ہیں اور پھر بڑھتے بڑھتے یہ درجہ صادقین تک پہنچ جاتا ہے پھر ان صادقین کو روحانی طبیب مقرر کر دیا جاتا ہے اور مومنین و متقین کو ان کی

Marfat.com

معیت اختیار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

یاا یھاالذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین (۵) قرآنی تصورِ شخصیتِ کاملہ کو حقیقت کا لباس تو صاحبِ قرآن ﷺ نے اپنے پیغام اور تربیت کے ذریعے پہنایا، کوئی لمحہ اور کوئی موقع تربیت سے خالی نہیں ہوتا تھا، نہایت قلیل عرصہ میں انسانیت کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو تربیت آشنا فرمایا کہ انسان کامل کا وجود انسانی معاشرہ کو میسر آ گیا، اسی لیے حیات طیبہ کا پہلو اتنا روشن اور قابلِ اتباع ہے کہ ہر دور کا انسان اگر اسے نسخۂ شفا سمجھ کر یقین کی قوت کا سہارا لے کر استعمال کرتا ہے تو وہ اشرف المخلوقات نظر آتا ہے۔

رہبرِ کونین ﷺ کا سلسلہ تربیت اپنے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے آئندہ دور کے انسانوں تک منتقل ہوا ہے اور دین کے مبلغین نے اپنے یقین اور بصیرت کی روشنی سمیت اس دینی تربیت کو اپنے باطن میں منتقل کیا اور اپنے ظاہر کو اس سے مطابق قرار دیتے تھے وہ عارضی اور جزوقتی ماحول کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیتے تھے، وہ اپنی سوچ اور اپنے علمی رویوں کو گمراہی اور نازیبا اختلافات سے زنگ آلود نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی لئے ان کی دعوتِ دین میں محروم طبقوں کے لئے بلا کی کشش تھی اور روح کے پیاسوں کیلئے آبِ زلال کی سی نعمت ہوتی تھی۔ مقاصدِ حیات کے متلاشیوں کے لئے کتاب روشن ہوتی اور خدا پرستوں کیلئے مینارہ نور ہوتی تھی۔

اسلام کے مبلغین نے دنیا کے ہر خطے میں علمِ اسلام نصب کر دیا اور:

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجکو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے!(۶)

Marfat.com

برصغیر کے سومناتی ماحول میں شرک کی جڑیں بہت سے حوالوں سے مضبوط ہیں ان حوالوں میں دو اہم حوالے برہمن ازم اور جابرانہ دنیاوی اقتدار، کبھی بھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔

برصغیر میں اسلام کا ورود تو بہت سے ذرائع اور بہت پہلے سے ہے لیکن تبلیغ وتربیت کا ایک باقاعدہ اور مرتب انداز غزنوی عہدِ میں واضح نظر آتا ہے۔ جب پانچویں صدی ہجری میں حضرت ابوالحسن علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں دعوت وتبلیغِ اسلام کا سلسلہ شروع فرمایا۔

برصغیر کے خالص مشرکانہ اور استبدادی ماحول میں اسلام کی دعوت وتبلیغ نہایت کٹھن مرحلہ تھا، کیونکہ کسی بھی نئے ماحول میں اسلام کو اس کی حقیقت اور اس کی روح کے مطابق پیش کرنے ہی سے کامیابی نصیب ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی اخلاقی اور افتراقی ذہنی ماحول سے قطعاً بیگانہ ہوکر ہی مبادیاتِ دین اور اہداف ومراد کو متعارف کروایا جاسکتا ہے۔ اختلاف وتفرقہ اور افتراق وتصادم کی ذہنی فضاؤں میں فکر وعمل کے طائر جلد ہی حوصلہ شکن ہوکر آفاتِ حالات کی زد میں آجاتے ہیں اور دین کی اشاعت رک جاتی ہے بلکہ اپنے دفاع کا سلسلہ بھی تارِ عنکبوت ثابت ہوتا ہے۔

اسی لئے برصغیر میں اسلام کے اولین مبلغین نے توحید ورسالت کی دعوت وتبلیغ کے لئے غیر متنازعہ اور قابل عمل وسیع فکری وعملی انداز کو اختیار کیا ان کا کردار اور فکر باہم متصادم نہ تھے۔ انسانیت سازی کیلئے اخلاقیات کو بہر حال مقدم رکھا۔ حضرت سیّدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا انداز فکر وتربیت نہایت متوازن تھا۔ اس فکر وتربیت کے پیچھے ان کا وسیع علم، گہرا فکر اور انسانی طبائع کا گہرا اور طویل عملی مشاہدہ بھی شامل تھا۔ انسان پرور بین الاقوامی معاشرے کی تشکیل بہر حال اسلام کا مطمع نظر ہوتا ہے اور اس سلسلے میں اخلاقی وسعت کے علاوہ وسعتِ مشاہدہ بھی ضروری ہوتا ہے۔

مقاصد عظیمہ کی تکمیل کیلئے آفاقیت آشنائی اور شعورِ باطن کا تلازمہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہوتا ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیارِ غیر میں اشاعتِ اسلام کے لئے

Marfat.com

مطلوبہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ ان کا علم ان کے فکری توازن کیساتھ ایک روشن فکر وتوانا ہمتوں کا مظہر تھا۔

''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کے علوم ظاہری کا تذکرہ ہے کہ:

أخذ عن الشيخ أبي الفضل محمد بن الحسن الختلي وصحبهٗ مدة من الزمان ثم ساح معظم المعمورة وحج وزار ولازم الشيخ اباالعباس احمد بن محمد الاشقانی وأخذ عنهٗ بعض العلوم وأخذ عن الشيخ أبي القاسم عبدالكريم بن هوازن القشيری والشيخ أبي سعيد بن أبي الخير المهنوی وأبي علي الفضل بن محمد الفارمدی وخلق آخرين من العلماء والمحدثين ولازمهم مدة ثم قدم الهند وسكن بمدينة لاهور''۔ (٧)

''آپ نے طریقہ شیخ ابوالفضل الختلی سے اخذ کیا، اور کافی عرصے تک ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے پھر سیر وسیاحت میں مشغول ہوئے اور اچھے خاصے علاقے کی سیاحت کی پھر حج وزیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی کی صحبت میں رہے اور ان سے بعض علوم حاصل کئے اور شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابی الخیر مھنوی، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی اور بہت سے علماء اور محدثین کی خدمت میں مدتوں حاضر رہ کر علم حاصل کرتے رہے اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں رہائش اختیار فرمائی''۔

حضرت کے علم اور سیر وسیاحت کے تذکرے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اسلام کے جملہ مقاصد کی تکمیل کیلئے اپنی مبلغانہ شخصیت کو جملہ تقاضوں کے مطابق اتنی خوبصورتی سے مرصع کرلیا تھا کہ بتکدۂ ہند میں اسلام کی دعوت وتبلیغ آسان ہوگئی۔ دنیائے اسلام میں اس وقت کے مسلم معاشرے میں موجود فقہی اور اعتقادی دبستانوں کی روایتی کشمکش سے آزاد ہوکر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا کشف المحجوب میں صحابہ واہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے مقتدا افراد کا ذکر ہے اور ان کے کمالات ظاہریہ اور باطنیہ کو دلیل ومحبت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کشف المحجوب کا ساتواں باب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات، تزکیہ اور انسان شناسی

Marfat.com

میں ان کے فکر وعمل کا بیان بہت اہتمام سے کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ان میں شیخ الاسلام بعد انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر، سیّد اہل تجرید شہنشاہ ارباب تفرید و آفاتِ انسانی سے بعید امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ ابن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں اور احکام و معاملات میں آپ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل وحقائق تصوف میں مشہور، مشائخ آپ کو اہل مشاہدہ کا پیشوا مانتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت گیری کی وجہ سے مجاہدین کا پیشوا مانتے ہیں''۔ (۸)

پھر حضرت ابوبکر صدیق کا ایک صوفیانہ قول نقل کرتے ہیں:

دارُنا فانية واحوالُنا عارية وانفاسنا معدودةٌ و كَسُلُنا موجودَةٌ (۹)

ترجمہ: ہمارا گھر فانی ہے ہمارے حالات عاریتاً ہیں ہمارے سانس گنتی کے ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے۔

پھر ان کی دعا نقل کی: اللهم ابسط لی الدنيا وزهّدنی فيها۔ (۱۰)

''اللہ میرے لئے دنیا فراخ فرمادے اور مجھے دنیا میں زاہد رکھ''۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کا یہ قول مبارک بیان کرتے ہیں:

الحَقّ يَنطِقُ عَلى لسان عمر (۱۱) ''حق زبانِ عمر پر کلام فرماتا ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فراست پر مبنی ایک قول نقل فرماتے ہوئے وضاحت میں مسائل صوفیانہ کا استنباط فرماتے ہیں۔ قول یہ ہے کہ: العزلةُ راحةٌ مِن خلطاء السُوء۔ (۱۲)

برے ہم نشیں اور دوستوں کے ساتھ رہنے سے بہتر گوشہ نشینی ہے جو راحت بخش ہوتی ہے، داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے آداب عزلت کی تفصیل بیان کی ہے۔

فرمایا کہ: ''عزلت دو قسم کی ہے: ایک اعراض از مخلوقات اور دوسرے انقطاع از مخلوقات اعراض یہ ہے کہ کسی علیحدہ مقام میں جا بیٹھے اور اعلانیہ طور پر ابنائے جنس کی صحبت سے بیزار ہو جائے اور اس تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے عیوب کی نگرانی کرے اور اپنے لئے اغیار کے میل جول سے اتنا چھٹکارا پالے کہ اپنے آپ کو لوگوں کی ہر قسم کی بدی و برائی سے محفوظ

Marfat.com

کر لے۔ دوسری قسم یعنی انقطاع عن الخلق ہے دل سے اپنے آپ کو سب سے علیحدہ رکھے لیکن ظاہر میں ان کے ساتھ میل جول رکھے۔

صوفیا کا یہ اصول کہ ابتدا میں تبتل کی ایک صورت ہو اور اپنی ذات وصفات کی تربیت کیلئے یک گونہ نہایت ظاہری و باطنی توجہ کا اہتمام کرے اور جب اس کے احوال میں پختگی آجائے تو پھر انسانی معاشرے میں اپنا فعال کردار ادا کرنے کیلئے بھرپور حصہ لے اور دل کی توجہ ورغبت اللہ تعالیٰ کی جانب رکھے۔"(۱۳)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ایک بلند درجہ مربی بھی ہیں، اس لئے ان کے ہاں اصولِ تربیت بھی مربی اعظم حضرت رسول اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ بلند کردار افراد ہی سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صوفی اور لائق مثال ظاہری حکمران بھی ہیں۔ اسلام میں چونکہ تصورِ حیات میں زندگانی کا تسلسل ہے، اس لئے دین وسیاست کو جدا کرنے سے انسانی معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی مفادات کو نقصان ہوتا ہے، اقبال نے وضاحت کی:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۱۴)

پھر ایک اور مثال اجلہ صحابہ کرام کی تصوف کے حوالے سے کشف المحجوب میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں آتی ہے: "کہ آپ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیض نشان وجود فوائد دین میں اظہر من الشمس ہے اور مقاصد اسلامی میں آپ کی فضیلت روشن اور آپ کے مناقب ہر شان میں عام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: حرب الدار کے روز ہم امیر المومنین کے پاس حاضر تھے، انہوں نے بہت سی نصائح فرمائیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی حفاظت کی غرض سے حاضر ہوئے اور احکامات مانگے تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے واپس چلے جاؤ اور گھر میں آرام کرو حتی کہ حکم الٰہی جو پردۂ تقدیر میں ہے، آجائے۔ ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا اور

Marfat.com

ان پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں۔ نہ ایسے کاموں سے ہمیں سروکار ہے''۔(۱۵)

اس قول میں امیر المومنینؓ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس اصول صوفیا کا بیان فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے: ''یہ علامت خاص تسلیم ورضا کی تھی کہ عین کربت وغربت اور درد وبلا کی حالت میں ظاہر ہوئی اور یہ درجہ خلت ہے جو نمرود کی آگ دہکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا''۔(۱۶)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صوفیانہ افکار جو ان کے نزدیک بارگاہِ نبوی کے تربیت یافتہ افراد کی زندگی سے اخذ کئے گئے ہیں، نہایت اہم ہیں اور اسلامی معاشرے کی بقا کے لئے لائقِ اتباع ہیں۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم ﷺ کے دبستانِ تربیت پر بلند کردار کو جس مرتب ومتوازن انداز میں بیان فرمایا ہے وہ انداز کسی بھی مسلم معاشرے یا نو مسلم معاشرے کیلئے ایک سادہ اور قابلِ عمل دستورِ حیات ہے۔

صوفیاء کے اکثر سلاسل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم سے شروع ہوتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلامی خلافت علی منہاج النبوۃ میں چوتھے خلیفہ شمار ہوتے ہیں، یہ دور تاریخ اسلامی کا بظاہر ایک پرُشورش دور ہے لیکن انفرادی اور امورِ ریاست کے حوالے سے اجتماعی پہلو سے فکر وتربیت کا ایک بڑا سرمایہ اسی دور اقدس سے میسر آتا ہے، جسے اقبال کی زبان میں احیائے دین کی کنجی کہا جا سکتا ہے۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری!(۱۷)

جناب علی کرم اللہ وجھہ الکریم سلسلہ خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور زمرۂ آل عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہر لحاظ سے بہت ہی اہم نظر آتے ہیں اس لئے جہانِ فقر میں وہ مقتدائے یگانہ ہیں کہ حضرت جنید امام الطائفہ کا یہ قول اہلِ صفا کے نصاب عقیدہ میں باب اول ہے: شیخنا فی الاصول و البلاء علی المرتضی رضی اللہ عنہ (۱۸)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کمال توحید کا بلند عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے: ''کسی شخص نے پاکیزہ ترین عمل کے بارے

Marfat.com

میں سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: غناءُ القلب باللہ۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کے سبب دل کا ہر شے سے مستغنی ہو جانا'' (۱۹)۔

کسی بھی صاحبِ ایمان کی رفعتِ عمل اس کے عقیدے کی قوت کی بنیاد پر ہی ہوا کرتی ہے، عقیدہ توحید ہی ایمان کے استحکام اور عمل کی متانت کو قوی تر کرتا ہے اور ملت کے وقار کو دوام عطا کرتا ہے درویش لاہوری کے بقول:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے (۲۰)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کا آٹھواں باب اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے افکار اور اخلاق ومجاہدات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ذکر شروع ہوتا ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے رحمت کونین مربی اعظم ﷺ کی درگاہ اقدس میں پرورش پائی ہے اور بارگاہ رسالت پناہ ﷺ سے جو بلند مراتب انہیں عطا ہوئے وہ شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ قرآن میں اُن کا ذکر اُن کی پیشوائی پر دلیلِ مستحکم ہے۔ حضرت داتا صاحب نے حضرت امام حسنؓ کا یہ قول مبارک ذکر کیا:

علیکم بحفظ السرائرفانّ اللّٰہ مُطّلعٌ عَلی الضمائر ''تمہیں اپنے اندرونی اسرار کا محفوظ رکھنا لازمی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ضمیروں کا راز جاننے والا ہے۔'' (۲۱)

حضرت امام حسن علم وحکمت کا ایک نایاب گنجینہ تھے اور سیاسی شورشوں کے ادوار میں تو مسلم افراد کے ذہن وکردار کے اثرات کا بہت گہرا مشاہدہ رکھتے تھے اور کسی بھی اختلافی مسئلے پر صاحب رائے میں کوئی ان کا سھیم وشریک نہ تھا۔ اسی دور میں قدریوں کے افکار عامۃ المسلمین کے عقائد کو متاثر کر رہے تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عریضہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا اور حجت تامہ کے لئے آپ کی رائے کو مقدم رکھا۔ امام الطائفہ صوفیاء حضرت حسن بصری کے اس عریضے میں امام حسن کی بلند حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت حسن بصری کا عریضہ یہ ہے: ''سلام ہو آپ پر اے فرزند سرور عالم اور نور چشم رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر ہمیشہ رہیں! آپ لوگ بنی ہاشم ہمارے

Marfat.com

لئے ایسی کشتی کی مثل ہیں جو موجزن متلاطم سمندر میں چل رہی ہے اور آپ ہدایت کے وہ روشن ستارہ ہیں جو اس کی روشنی میں چلا اس کو امن نصیب ہو گیا اور جو آپ لوگوں کی پیروی کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کشتی نوح کے سوار نجات پا گئے تھے اور مومن ہو گئے تھے۔ آپ فرمایئے کہ قدریوں کے سبب ہم جس عالم حیرت میں ہیں اور یہ اختلاف اپنی اپنی معلومات کے اختلاف کے سبب پیدا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے مسلک کے بارے ارشاد فرمایا ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم تعلیم الٰہی ہے منقطع نہیں ہو سکتا بلکہ ذاتِ خدا آپ کی محافظ ہے اور آپ مخلوق کے محافظ ہیں''۔ (۲۲)

عریضہ اور عریضے کے جواب میں جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوابی نامہ مبارک بھی کشف المحجوب میں نقل کیا گیا ہے جس میں تفصیلی وضاحت سے امت کے محکم عقاید اور توحیدی اسرار کا ایک درس کامل موجود ہے۔ دونوں خطوط کے ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ امت کے مصلحین صوفیاء کرام اہل بیت رسول ﷺ کے ان افکار صالحہ کی روشنی میں جو انہیں براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہ کر نصیب ہوئے، تصفیہ ذہن وقلب اور نفس وروح کا مقبول ومحبوب نصاب مرتب کریں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افکارِ دستوری اجلہ صحابہ واہل بیت کرام کے افکار وعقاید ہی سے مستنبط ہیں۔ تبلیغ اسلام کے لئے مشترکاتِ فکریہ اور متفقاتِ دینیہ نہایت ضروری امور ہوتے ہیں۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی تربیت کے مظہر اہل بیت کرام اور مجلسی تربیت کے مظہر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتب فکر وعمل کو یکسانیت اور یک جہت انداز سے مرتب فرما کر نصاب عمل تیار کرتے ہیں اس لئے دیارِ غیر میں اسلام کی تبلیغ ودعوت اختلافات اور تضادات سے مبرا ہوتی ہے۔

اب ذرا جناب امام حسن علی جدہ وعلیہ الصلوات والسلام کا جوابی خط مطالعہ فرمائیں تو ایک واضح احساس ہوتا ہے کہ اصول توحید میں ائمہ اہل بیت کا موقف کتنا روشن ہے۔

''ہماری مستقیم رائے ہے کہ جو شخص قدرِ خیر وشر من اللہ پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے، جو اپنے افعال معصیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی جانب منسوب کرے وہ فاجر ہے یعنی

Marfat.com

انکار قدر و تقدیر کرنا مذہب قدریہ ہے اور اپنے برے افعال اور گناہوں کو مشیتِ الٰہی کی طرف منسوب کرنا جبریہ ہے۔ اس لئے کہ بندے کو مختار کہا گیا ہے۔ اس کے افعال اور اکتساب میں اس کی استطاعت وقوت کی حد تک اور یہ اختیار من جانب اللہ عطا ہوا ہے۔ اور ہمارا دین قدر و جبر کے درمیان ہے''۔ (۲۳)

حضرت امام حسن کا کردار حلم وضبط کا مرقع ہے کسی بھی مبلغ کے لئے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ وہ سامع کو اپنی ذات کے حوالے سے بہت زیادہ مطمئن کرے۔ تاکہ اس کی بات کی اثر پذیری نتیجہ خیز بھی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ حلیم سے فیضیافتہ امام حسن علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بردباری اور سخاوت کے حوالے سے ایک واقعہ کشف المحجوب میں درج ذیل ہے۔

''ایک مرتبہ جنگل سے ایک بدو حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ واقعہ کوفہ کا ہے اس نے آتے ہی گالی گلوچ شروع کر دی اور بڑھتے بڑھتے حضرت کے آباواجداد کی شان میں صریح گستاخی پر اتر آیا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میاں اعرابی تم بھوکے معلوم ہوتے ہو؟ بجائے احسان مند ہونے کے اس نے حضرت کی والدہ اور حضرت کے والد گرامی کی شان میں سخت سست الفاظ کہے۔ امام خاموش رہے اور پھر اپنے خادم کو حکم فرمایا کہ گھر سے چاندی کا پیالہ لاؤ اور جب پیالہ آ گیا تو بہت نرمی اور بانداز اعتذار چاندی کا وہ پیالہ اس اعرابی کو عطا فرمایا اور معذرت خواہانہ انداز میں گویا ہوئے کہ: اس وقت تو ہمارے پاس یہی تھا ورنہ اس سے بھی زیادہ خدمت کرتے۔ اعرابی نے جب یہ الفاظ سنے اور یہ سخاوت دیکھی تو پکار اٹھا: اشھد انک ابن رسول اللہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں''، میں تو آپ کے حلم اور غصہ پینے کا اندازہ کرنا چاہتا تھا''۔ (۲۴)

داتا صاحب کا تبصرہ یہ ہے کہ: ''اہل اللہ مدح وذم سے بے نیاز ہوتے ہیں اگر کوئی شخص برے الفاظ ہی استعمال کرے تو یہ لوگ اپنی حالت کو متغیر نہیں کرتے''۔ (۲۵)

ائمہ اہل بیت میں سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کے احوال ذکر کیئے ہیں۔ حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں یوں رقم طراز

Marfat.com

ہیں: ''وہ شمع آل محمد ﷺ ہیں۔ سیّد زمانہ خود ہیں وہ قبلۂ اہلِ صفا ہیں اور شہزادہ گل گوں قبا ہیں''۔(۲۶) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فکر و کردار کے حوالے سے امت مسلمہ میں امامت و قیادت کے جس درجہ بلند پر فائز ہیں اس کا اندازہ ہر صاحب ایمان و بصیرت کو بخوبی ہے۔ بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

حقیقت ابدی ہے ، مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی(۲۷)

فقر غیور کا یہ مقصدِ خیرا فزا اہل دل کا متاعِ مستقل ہے اور جہادِ اصغر و اکبر کے مجاہدین کیلئے مرشد ظاہری و باطنی ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''جناب رسالت پناہ ﷺ کے بہت اخلاق کریمانہ کا فیضان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس کے لئے محدود و مخصوص تھا''۔(۲۸)

ائمہ اہل بیت میں اہم ترین نام جناب امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ انہوں نے زمانے کے سرد و گرم کا جس اولوالعزمی اور کمال صبر سے مقابلہ کیا ہے، تاریخ انسانیت میں عزیمت کی ایک بہت بڑی مثال ہے۔ قبیلۂ اہل صفاء کے لئے طلب منزل کے نصاب کی ایک پوری کتاب کا نام امام زین العابدین ہے۔ فرزدق کا یہ اعتراف نہایت درست ہے:

مقدّمٌ بعد ذکر اللّٰہ ذکرھم
فی کلّ یوم ومختومٌ بہِ الکلِمُ (۲۹)

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر ہی مقدم ہے اور بس اس کے ساتھ ہر کلام پر مہر لگ گئی ہے۔ ترتیب میں آخری ذکر جناب امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرماتے ہوئے ائمہ اہل بیت کا تذکرہ ختم کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تابعین اور تبع تابعین کا تذکرہ ان کی طرز حیات طرز تربیت اور حکیمانہ اقوال کا ذکر اس پہلو سے کیا ہے کہ کوئی بھی داعی یا مبلغ اپنی

Marfat.com

شخصیت کو پہلے روشن اقوال اور مستحکم اعمال کی روشنی میں اتنا مضبوط اور منظّم کر لے کہ اس کا کوئی بھی سامع یا مرید اس کے قول و فعل سے متاثر ہو کر اپنے خیالات اور افعال کو بدلنے میں دیر نہ کرے اور جلد ہی اعتقاد و عمل کے لحاظ سے راہ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادی، اخلاقی اور تربیتی امور سے متعلق عنوانات پر تحریر فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے کشف المحجوب میں کسی بھی صوفی کے لئے زمان و مکان کی قید سے آزاد ایک نصاب مرتب کیا گیا ہے راہ سلوک کا ہر مسافر اپنے لئے بہترین قرار راہ پاتا ہے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منہج فکر و تربیت اور طرز دعوت و تبلیغ قرآن و سنت کی بنیاد پر ہے۔ اہل بیت و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افکار و اعمال کی روشنی میں اس منہج کی حقیقی وضاحت کی گئی ہے۔

چونکہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے سیاح تھے۔ اس لئے مختلف خطہ ہائے زمین کے لوگوں کی ثقافت اور ذہنی سطح سے پوری طرح سے واقف تھے، معاشروں کی اجتماعی نفسیات سے واقفیت نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حدودِ فکر و تفکر کو بین الاقوامی بنا دیا تھا۔ تہذیبوں اور مذاہب کی علمی و عملی تفصیلات سے واقفیت کے سبب آپ کی ذات ایک بلند فکر مبلغ اور وسیع النظر مربی کا سراپا بن گئی تھی اور اپنی ذات کی حقیقت خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے ہی سے منور تھی۔ اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے فقہی اختلافات اور سیاسی تنازعات سے بلند ہو کر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

کو بنیادِ دین بنایا اور خطۂ ہند میں تشریف لائے تو نگاہِ کیمیا اثر بن چکی تھی اور وہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان حق شناس کو بندگانِ خدا کے قلوب کی گہرائیوں تک اتار رہے تھے۔ یہ آفاقی منہجِ دعوت و تبلیغ آج بھی ان کی کتاب کشف المحجوب میں اپنے تابناک فوائد و فلاح کے ساتھ موجود ہے اور۔

گنج بخش فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

کی تفسیر ہے۔

Marfat.com

# حوالے حواشی

۱۔ سورۃ محمد، الآیۃ:۲۴

۲۔ اربعین نووی، صفحہ ۲۷

۳۔ سورۃ الانفال، الآیۃ:۴۷

۴۔ سورۃ الفرقان، الآیۃ:۶۳

۵۔ سورۃ التوبہ الآیۃ:۱۱۹

۶۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۹۷، (بانگِ درا، ص ۱۷۷)۱۹۹۰ء اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

۷۔ نزہتہ الخواطر، ج:۱،ص ۶۶۔۶۷ حیدرآباد دکن، ۱۹۶۲ء۔

۸۔ کشف المحجوب، سید علی بن عثمان ہجویری، ابوالحسن (مترجم: سید محمد احمد قادری، ابوالحسنات) ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۶۸۔

۹۔ ایضاً۔ص ۱۶۹۔

۱۰۔ ایضاً،ص ۱۷۰۔

۱۱۔ ایضاً،ص ۱۷۲۔

۱۲۔ ایضاً ص ۱۷۲۔

۱۳۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۲۔۱۷۳۔

۱۴۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص:۱۸۷

۱۵۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۴۔

۱۶۔ ایضاً،ص ۱۷۴۔

۱۷۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۸۰ (بانگِ درا، ص ۲۶۴)۔

۱۸۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۵۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۱۷۶۔

۲۰۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۸۷ (بانگِ درا، ص ۱۷۱)۔

Marfat.com

۲۱۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۷

۲۲۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۸۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۷۹۔

۲۴۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۹۔۱۸۰۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۸۰۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۸۰۔

۲۷۔ کلیات اقبال اردو، ص ۳۹۸ (بال جبریل، ص ۴۷)۔

۲۸۔ کشف المحجوب، ص ۱۸۰۔

۲۹۔ دیوان الفرزدق، (قدم لہ وشرحہ: مجید طراد) الجزء الثانی، بیروت: دار الکتاب العربی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۴۰۔

Marfat.com

# کشف المحجوب اور علمِ نافع

ڈاکٹر محمد ناصر

پروفیسر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

اللہ باری تعالیٰ نے یہ کائنات حق و باطل کی رزم آرائی ہی کے لیے سجائی ہے، ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کی کم مائیگی کا ذکر کیا تھا، فرشتوں نے بھی اللہ کے حضور عرض کی کہ مٹی کا پُتلا کائنات میں فتنہ وفساد کا باعث بنے گا اور اللہ نے فرمایا تھا کہ انہی میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے احکامات کو بجالائیں گے، خود بھی راہِ حق اپنائیں گے اور دوسروں کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کریں گے، خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اور یہ کائنات کبھی بھی اللہ کے نیک بندوں سے خالی نہیں ہوگی کبھی رسول و پیامبر چراغ ہدایت کو منور رکھے رہے اور جب نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا تو یہ ذمہ داری صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین، اولیا، صوفیاء اور علمائے حق نے سنبھال لی۔

نبی کریم ﷺ نے سرزمین ہند کی جانب سے آنے والی بادِ خنک کا ذکر فرمایا تھا، تعداد کسی بھی طرح پانچ سو کلومیٹر سے ہرگز کم نہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ اس خطے میں اسلام کی بے مثال ترویج واشاعت کا سہرا اولیاء صوفیا ہی کے سر بندھتا ہے جنہوں نے یہاں اسلام کے سنہرے اصولوں کو متعارف کروایا، وحدانیت کا درس دیا اور اپنے انتہائی اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہاں کے باسیوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ اپنی تاریخ، تمدن، تہذیب، ثقافت، دین و مذاہب اور زبان سبھی کو بھلا بیٹھے اور گویا سارے کے سارے دین حق میں داخل ہو گئے۔

برصغیر میں اسلام محمد بن قاسم کی فاتحانہ پیش قدمی ہی کے ساتھ وارد ہوا تھا، اُس

Marfat.com

عظیم نوجوان فاتح کو قدم جمانے کا موقع نہ ملا اور یوں دیارِ ہند کو منورّ ہونے کے لیے مزید چند صدیاں انتظار کرنا پڑا، سلطان محمود غزنوی کے پے در پے حملوں نے افغانستان اور وسطی ایشیاء کے مسلمانوں بالخصوص صوفیا کو برصغیر کا رخ کرنے پر آمادہ کیا، حضرت سید علی ہجویریؒ اسی غزنوی دور میں لاہور تشریف لائے اور یوں شہرِ لاہور کو برصغیر میں اسلام، کے مرکز اولین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (خاک پنجاب از دم او زندہ گشت صبح ما از مہر او تابندہ گشت)۔

سید علی ہجویری کی لازوال تصنیف ''کشف المحجوب ''فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر اس خطے میں لکھی جانے والی پہلی تصنیف لطیف ہے، ہزار برس ہونے کو آئے لیکن اس کی اہمیت و عظمت گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ فزوں تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

بالعموم ادبی آثار کو مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہوتی اس طرح ہندو مذہب کے آثار کو اَدب کے معیارات پر نہیں پرکھا جاتا، لیکن حیرت انگیز طور پر کشف المحجوب بلاشبہ پانچویں صدی ہجری کی فارسی نثر کا عظیم شاہکار ہے اسی طرح ہزار سالہ قدیم علمی وادبی اور دینی و مذہبی آثار کو عہدِ جدید کے منظرنامے میں اپنی اہمیت کو برقرار رکھنا بظاہر دشوار دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ''کشف المحجوب ''اس اعتبار سے پانچویں صدی ہجری کی ایک ایسی بے مثال کتاب ہے، جس کا مطالعہ غالباً جتنا اہم آج ہے، ماضی میں کبھی نہ تھا، اکیسویں صدی ہمارے لیے نئے مسائل و مصائب کا انبار ہمراہ لائی ہے، انتہا پسندی عدم رواداری، منافقت، ریاکاری اور کینہ پروری کا دور دورہ ہے، ایک دوسرے کا نقطہ نظر برداشت کرنا تو دُور کی بات ہے، سُننا تک گوارا نہیں کیا جاتا۔ ایسے میں صوفیانہ نظریات کی

Marfat.com

اہمیت دوچند ہوجاتی ہے جن کی بنیاد ہی اتفاق، باہمی عزت اور مذہبی رواداری پر رکھی گئی ہے ،ان اولیاء وصوفیاء نے محبت وخلوص اور اپنے اعلیٰ ترین اخلاق کی بدولت برصغیر کی سرزمین میں دین اسلام کی ترویج واشاعت کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا۔ان صوفیا واولیاء کے سَرخیل بلاشبہ سید علی ہجویری ہیں۔

اکیسویں صدی کے طالبعلم کے لیے کشف المحجوب کا مطالعہ کئی اعتبار سے غیر معمولی دلچسپی کا حامل ہے، بالخصوص تحقیقی ذہن رکھنے والے قارئین بلاشبہ مسحور ہوجاتے ہیں کہ کشف المحجوب کے فاضل مصنف نے کم وپیش جدید ترین اسلوب تحریر اور روش تحقیق کو اپنایا ہے، جابجا آیات قرآنی، احادیث نبوی، اخبار اولیا اور عقائد صوفیا کے برجستہ اور مستند حوالے متن کو معتبر بناتے چلے جاتے ہیں، فاضل مصنف ،اکیسویں صدی کے محققانہ انداز میں، کہیں بھی اپنی رائے ٹھونسنا یا اس پر بے سبب اصرار کرتے دکھائی نہیں دیتے ، بلکہ ہمیشہ اختلاف رائے کو سننے، سمجھنے، تجزیہ کرنے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کا درس دیتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب ہی علم ،کسب علم، علم حق اور علم نافع کا احاطہ کرتا ہے، جو یقیناً ''اقرأباسم ربك الذی خلق ''ہی کی یاد دلاتا ہے،سید علی ہجویری نہایت مؤثر انداز میں علم نافع کے حصول کا درس دیتے ہیں، لیکن توجہ بھی دلاتے ہیں کہ بعض افراد ایسے علوم سیکھنے میں توجہ دکھاتے ہیں جو ضرررساں ہیں جو نفع بخش نہیں عوام نے ''معرفت سے محض لغوی معنی مراد لے لئے ہیں یہ کام تحقیق کا تھا لیکن اب محض تقلید ہی کا رہ گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اب سبھی خود کو ''حق شناس وعارف'' کہتے ہیں۔عرفان وتصوف کا نام لینے والے اپنے اپنے دعوے میں اس قدر محو ہو گئے ہیں کہ حقیقت کو بھول بیٹھے ہیں، پیر ومرید دونوں ہی نے مجاہدہ

Marfat.com

چھوڑ دیا ہے اور محض اپنے وہم وظن کا نام مشاہدہ رکھ لیا ہے۔

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے ہی زمانے میں جی رہے ہیں، جب اہل زمانہ حرص وہوا کو شریعت بنا بیٹھے ہیں، جاہ طلبی کو عزت اور غرور وتکبر کو علم وحلم قرار دیتے ہیں اپنے اطراف میں دیکھئے، ریا کاری اور خودستائی اب خشیتِ الٰہی کہلاتی ہے۔ ان دنوں حسد وکینہ، خلوص وبردباری ہے، مجادلہ کا نام مناظرۂ دین رکھ لیا گیا ہے لڑائی جھگڑا اور کینہ پن غیرت قرار پایا ہے۔ نفاق کا معنی زھد ہے، ھذیان ویاوہ گوئی کو معرفت کہتے ہیں۔ اور تو اور حرکت دل کے بڑھ جانے کو ''قلب جاری ہونا'' کہتے ہیں۔ دل میں پیدا ہونے والے نفسانی احساسات کو الہام وحدیث نفس کہنے لگے ہیں، زندقہ کا نام فنا فی اللہ قرار پایا ہے۔ ترک احکام شریعت کو عین طریقت بنا بیٹھے ہیں اور خس وخاشاک افکار دنیا اور آفات زمانہ کا نام معاملہ فہمی رکھ لیا گیا ہے۔

سچ ہے کہ ہم زمانہ ابتلا میں ہیں جس میں نہ آداب اسلامی ہیں اور نہ ہی زمانہ جاہلیت کے اعلیٰ اخلاق اور نہ ہی اہلِ مروّت کے طور طریقے۔

انسان تطہیر باطن کی بجائے حجابات میں الجھ کر رہ گیا ہے، اسرارِ حقیقی اور انوار کشف سے بے خبر ایسے اعمال سے یکسر لاتعلق رہتا ہے جو اس کے لئے باعثِ نجات ہو سکتے ہیں، آج کا انسان بوئے توحید سے ناآشنا، جمال احدیت سے بے خبر اور ذوق وحدانیت سے بے بہرہ ہے، بادِ حرص وہوا اُسے بگولوں کی طرح اڑائے پھرتی ہے، اور وہ سونے جاگنے کھانے پینے اور شہوانی کیفیات کی پیروی کے سوا ہر شے سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔

نفس امارہ ہی سب سے بڑا پردہ، سب سے بڑا حجاب اور برائی کا منبع ہے، حقیقتِ

Marfat.com

حق، پیروان نفس سے اوجھل ہے۔ سید علی ہجویریؒ کے بقول علم، جہالت کی نفی ہے اور عالم جہالت سے دور رہتا ہے، پس دنیا و عزت کا آرزومند اور جاہ کے طالب کا علم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

علم انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ و سلیقہ عطا کرتا ہے، نورِ علم تیرگئی حیات کو دور کرتا ہے، لیکن افسوس عہد حاضر میں علمِ غیر نافع ہی ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اور ہم حدیث نبوی کی رو سے اُس گدھے کی مانند ہیں جو دن بھر مشقت کے بعد بھی خود کو سرِ شام وہیں پاتا ہے جہاں اس نے صبح سفر کا آغاز کیا تھا۔

عہدِ حاضر ترقی و پیشرفت کا زمانہ ہے اور تحقیق و جستجو زندگی کے ہر شعبے کا لازمی حصہ ہے۔ علما کا خزانہ معلومات، علم ہے اور جہلا کا خزانۂ علم محض روایات کا انتقال ہے۔

یقیناً لائق تامل ہے کہ علماء میں سے علمائے حق اور علمائے غافل کون ہیں! حضرت ابن معاذ نے تین طرح کے افراد کی صحبت سے تحریز کی تلقین کی ہے۔

۱۔ بے عمل اور غافل علماء

۲۔ حق کی بات پر خاموشی اختیار کرنے والے

۳۔ جاہل صوفیاء

سب سے پہلے تو یہ تجزیہ ضروری ہے کہ علمائے غافل کون ہیں، یقیناً یہ وہی طبقہ ہے جن کا مقصد و مدعا دنیاوی و نفسانی خواہشات ہیں، جو احکام شریعت کی بجا آوری کی بجائے بہانے گھڑتے ہیں، آسانیاں ڈھونڈتے ہیں، اہل اقتدار کے حضور جبیں فرسائی کرتے ہیں، اہل ظلم کی مدح سرائی ان کا شیوہ ہے، غرور و نخوت کو زیرکی اور ہشیاری سمجھتے ہیں، دوسروں کو نادان تصور کرتے ہیں، اپنی دانائی پر از خود فریفتہ ہیں، ان میں گفتگو تصنع

Marfat.com

تکلّف اور مکر و ریا کا آمیزہ ہوتی ہے، اہل علم اور خود اُن کے بیچ حسد کی چادر حائل رہتی ہے۔

حق کی بات پر خاموش رہنے والے علماء اپنی نفسانی خواہشات کے اسیر ہیں۔ وہ ہر اس شخص کے مداح ہوتے ہیں جن سے اُن کی غرض کی ڈور بندھی ہو،

ایسے افراد خود بین وخود پسند ہوتے ہیں، ان کی بینائی محدود ہوتی ہے، اپنی خواہشات کے پار دیکھنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا، ہر اس غلط کام کی حمایت کرتے ہیں جس میں ان کی دنیاوی خواہشات کا حصول ممکن ہو، گویا باطل پرستی ان کا شعار ٹھہرتی ہے، اور حق گوئی ان کے نصیب میں ہرگز نہیں ہوتی۔

جاہل صوفیاء علم اور استاد سے بے نیاز اور رہبر و رہنما کی اہمیت سے بے خبر ہوتے ہیں، کسب علم کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں، مصائب زمانہ سے دور رکھتے ہیں، زندگی کے نشیب وفراز کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن خود کو صاحب کمال اور رفیع الشان کہلوانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، یہ گروہ بھی خود غرضی خود پسندی اور خود شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اور آخر کار راہ حق کے دروازے ان پر بند کر دیے جاتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت پر اصرار کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو منکرِ طریقت ہیں۔ آخر میں یہی کہنا چاہوں گا کہ اگر ہم اپنے معاشرے میں محبت، خلوص، رواداری، انصاف اور عدل کو فروغ دینا چاہیں، تو ہمیں دین اسلام کے سنہری اصولوں کی طرف لوٹنا ہوگا، جن کا ایک اہم ذریعہ صوفیاء کے نظریات اور اُن کے آثار ہیں، جنہیں ہم علم نافع کے ذیل میں لا سکتے ہیں۔

Marfat.com

# مولانا محمد اکرم اعوان......ایک صوفی شاعر

ڈاکٹر حافظ عبدالقدیر

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

## تمہید:

تصوف اور صوفی کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبل اوڑھتا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ لفظ صوفی ''صفا'' سے ماخوذ ہے یعنی ایسا شخص جس کا ظاہر و باطن صاف ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے، جبکہ بعض دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ صوفی روزِ قیامت صفِ اول میں کھڑے ہوں گے اس لیے صوفی کہلاتے ہیں۔ خود تصوف کے بارے میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں، کچھ لوگ تو سرے سے ہی اس کے منکر ہیں، کچھ نے اسے مشاہدۂ باطن کا نام دیا ہے، کچھ اسے تزکیۂ نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال تصوف چاہے صوف سے ہو یا صفا سے یہ باطن کی صفائی، تصفیۂ اخلاق اور نفس پر قابو پا کر قرب حق حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جسے طریقت بھی کہتے ہیں، اور اس عمل کے کرنے والے کو صوفی پکارتے ہیں۔ چونکہ اس عمل میں خدا کی طرف باطنی سفر کیا جاتا ہے اس لیے اسے سلوک اور صوفی کو سالک کا نام بھی دیا گیا ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے صوفی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں تصوف کے باب میں لکھا ہے کہ صفا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت تھی، وہی اصحاب طریقت و سلوک کے امام اور

Marfat.com

مقتدا ہیں۔آپؒ کے بعد سالکین طریقت کی ایک لمبی فہرست ہے جو مختلف زمانوں میں تشریف لائے اور لوگوں کے ظاہر و باطن کو صاف کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت ابراھیم اَدھمؒ، حضرت بشیر حافیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، مولانا اللہ یار خانؒ، یہ سب وہ بابرکت ہستیاں ہیں جنہوں نے چراغِ تصوف کی لو کو اپنے اپنے زمانے میں روشن رکھا۔

انہیں سالکینِ طریقت میں سے ایک نام دورِ حاضر کے مشہور صوفی مولانا محمد اکرم اعوان کا ہے۔آپ مختلف الجہات شخصیت ہیں۔شعلہ بیاں مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ مترجم قرآن بھی ہیں اور مفسرِ قرآن بھی۔اکرم التراجم کے نام سے قرآن کریم کا ترجمہ کر چکے ہیں، اسی طرح اکرم التفاسیر کے نام سے دس جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر بھی آپ کے زورِ قلم اور قرآنیات میں آپ کے تبحر علمی کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے جو عوام و خواص سے قبولیت کی سند حاصل کر چکا ہے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخِ طریقت اور مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ کے جانشین ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ آپ نے بحرِ سخن کی غواصی بھی کی ہے۔"گردِ سفر" "آس جزیرہ" "دل دروازہ" "کوئی ایسی بات ہوئی ہے" "نشان منزل" "دیدہ تر" اور "سوچ سمندر" کے نام سے مختلف مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

آپ نے اردو، پنجابی اور سرائیکی زبان میں شاعری کی ہے۔البتہ آپ کی شاعری کا بیشتر حصہ اردو اور پنجابی میں ہے۔تخلص سیماب اور فقیر ہے۔

مولانا اکرم اعوان ان شعراء میں سے نہیں ہیں جو فن برائے فن کے قائل ہیں اور

Marfat.com

صرف مشاطگی زلفِ سخن ہی میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ان شعراء میں سے بھی نہیں ہیں جو عربی اصطلاح میں ''عبید الشعر'' (شعر کے غلام) کہلاتے ہیں یعنی ایسے شاعر جو اپنے اشعار کی نوک پلک سنوارنے میں خون پسینہ ایک کرنے والے شاعر ہیں۔ روایات میں ملتا ہے کہ مشہور جاہلی شاعر زبیر بن ابی سلمی ایک قصیدہ (نظم) کہنے میں پورا سال لگاتا۔ وہ پہلے چار ماہ قصیدہ کہنے، اگلے چار ماہ اس کی کانٹ چھانٹ کرنے اور آخری چار ماہ لوگوں کو وہ قصیدہ سنانے میں لگاتا، یوں ایک قصیدہ کہنے میں پورا سال گذر جاتا۔ اسی وجہ سے اس کے قصائد ''حولیات'' یعنی ''سال سال بھر میں کہے ہوئے'' قصائد کہلائے۔

ہمارا صوفی شاعر کوئی پیشہ ور شاعر نہیں ہے، نہ ہی وہ دور جاہلی کے مذکورہ بالا شاعر کی طرح اتنا فارغ ہے کہ اپنا سارا وقت اسی شجر کی آبیاری میں گذارے، اسے اس شغل کے لئے تبھی فرصت ملتی ہے جب وہ کسی گاڑی یا جہاز میں سفر کر رہا ہوتا ہے۔ وہ دورانِ سفر اپنی قلبی واردات کو نظم کی صورت میں سپردِ قلم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نظموں یا غزلوں کے نیچے توسین کے مابین ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ یہ غزل یا نظم فلاں سفر کے دوران کہی گئی۔ بقول ڈاکٹر اجمل نیازی:

> ''اپنی آسودگی کے لئے وہ ذکر کرتے ہیں فکر کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔ یہ ان کے فرصت کے لمحوں کی فراست ہے۔۔۔ شاید وہ ریلیکس ہونا چاہتے ہیں تو شعر کہتے ہیں۔ لوگ اس کام کے لیے تفریح کے کیا کیا سامان ڈھونڈتے ہیں، مگر ملک صاحب کی تفریح بھی ترفع سے خالی نہیں۔ ان کی شاعری ان کے اعلیٰ وارفع معمولات کا ایک ہلکا پھلکا روپ ہے۔ ان کی شاعری شاعری کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔

Marfat.com

اس شاعری سے کچھ لینے کے لیے حضرت اکرم صاحب کے پاس کچھ دیر بیٹھنا ضروری ہے۔''

ایک دوسری جگہ وہ یوں رقمطراز ہیں:

''یہ شاعری لکھنے کے لیے کوئی تردد نہیں کیا گیا۔ جیسے لفظ خود بخود اس ترتیب میں آ جمع ہوئے ہیں۔ مسافر پرندوں کو شفاف میٹھے اور کشادہ پانیوں پر اترنے کے لیے دیر نہیں لگتی۔ جذبوں کو کہیں ٹھکانہ بناتے ہوئے مستحق ثابت کرنے کے لیے منتظر نہیں رہنا پڑتا۔ زور لگا کر کہے گئے اشعار میں پختہ کاری کا غرور تو ہوتا ہے معصومیت کی غیرت نہیں ہوتی۔ کشش کبھی کوشش سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیفیت اور کیف باوقار دریاؤں کی بے ساختہ روانی اور باوفا ہواؤں کی برجستہ آسانی جیسی خصوصیات والی شاعری میں پیدا ہوتا ہے۔''

شاید اسی فرق کی طرف مولانا اکرم اعوان نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

عشق کے درمند کا طرز کلام اور ہے تیرا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے

ہمارے صوفی شاعر نے شاعری میں کہیں باقاعدہ زانوے تلمذ طے نہیں کیا۔ وہ "الشعراء تلامیذ الرحمان" کا مصداق ہے۔ اسے خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ اس کے پاس گیسوئے سخن سنوارنے کا وقت نہیں ہے۔ اپنے مجموعہ کلام ''گردِ سفر'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''عین ممکن ہے کہ میرے اشعار معیاری نہ ہوں اور ان میں کمی بیشی ہو یا بحر درست نہ ہو مگر ایک بات ضرور ہے کہ میں نے جو محسوس کیا اور کہنا

Marfat.com

چاہا کہہ گذرا۔"

ہمارا شاعر "شاعری جزویست از پیغمبری" پر یقین رکھتا ہے، اسی لیے اُس کی نظر میں معانی کی اہمیت الفاظ سے کہیں زیادہ ہے بقول اقبال:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اور بقول حسرت موہانی:

شعر دراصل ہے وہی حسرت سنتے ہی دل میں جو اتر جائے

حسرت موہانی کے اس شعر کی تصدیق ہر وہ شخص کرے گا جو ایک بار مولانا اکرم اعوان کی شاعری پر نگاہ ڈالے گا۔

تصوف کے خاص موضوعات حسن ازل اور عشق حقیقی ہیں جن تک پہنچنے کے لیے حسن مجازی اور عشق مجازی کا سہارا صوفی شعراء نے لیا ہے۔صوفیاء کا مقولہ ہے اللّٰہ جمیل و یحب الجمال یعنی خدا حسین ہے اور حسن پسند بھی۔ چنانچہ انہیں کائنات کی ہر شے میں حسن ازل کی جھلک نظر آتی ہے، اسی لیے انہوں نے حسن و جمال ظاہری کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اور حسن و جمال کے جملہ متعلقات بھی اسی ذیل میں آ گئے ہیں۔ مولانا محمد اکرم اعوان کی شاعری کا ایک حصہ اسی حسن و جمال سے متعلق ہے۔ مثلاً وہ اپنے محبوب کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں:

ہوسی ہیر سیالاں دی بہت چنگی کوئی اپنی ہیر بنائی ہووے
وچ زلفاں گلاب دے ہون رچیاں گانی عشق والی گل پائی ہووے
کڈ جگر دا خون بنا مہندی پیراں ہیر دیاں نوں لائی ہووے
منگاں جوڑے میں جنت دے رب کولوں وچ جوڑیاں ہیر سجائی ہووے

Marfat.com

وے میں ہجر فراق نوں بھٹ پاواں سدا سامنے آپ بٹھائی ہووے
ونڈا مال اسباب جہان والے شالا اپنی جھوک لٹائی ہووے
پچھے گل جہاں دی کوئی آ کے اگوں یار دی گل سنائی ہووے
وانگوں خضر دے اتر دریا جاواں کملی لہراں دی آپ بنائی ہووے
لئیں کھچ تصویر مصورا وے جیئ کدی نہ کسے بنائی ہووے

ہمارا شاعر جب کوچۂ حسن و عشق میں قدم رکھتا ہے تو اس یقین کے ساتھ کہ یہ میدان پھولوں کی سیج نہیں، نہ ہی عشق بچوں کا کھیل ہے۔ اُسے اس بات کا کلی ادراک ہے کہ اس کھیل کے کھلاڑی کو دنیا چھوڑنی پڑتی ہے، لذتوں سے منہ پھیرنا پڑتا ہے، گلے میں کاسہ ڈالنا پڑتا ہے، پاگل مجنوں اور سر پھرا جیسے الفاظ سننا پڑتے ہیں اور بسا اوقات لوگوں سے پتھر کھا کر، قدم و جسم لہولہان کروا کر طائف کی یاد تازہ کرنا پڑتی ہے۔ مختصراً اُسے اس بات کا احساس ہے کہ یہ ایک آگ کا دریا ہے اور سالک کو ڈوب کے جانا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ:

ہس ہس چڑھ دے سولی ڈٹھے عشقوں باز نہ آون
قول قرار توں کدی نہ پھر دے ہتھیں سر کٹاون
کن پڑوا کے تن تے لیراں پھڑ ہتھاں وچ کاسے
رانجھا بن دے نہ شرماون ٹرن سجن دے پاسے

اور

بس کر گل فقیر عشق دی ایہہ ان ملے موتی
قدر انہاں دی اوہ کی جانن مل جنھاں دا روٹی

Marfat.com

دل دی تھاں تے وچ سینے دے جتھاں پتھر لکائے
طعنے مارن فتوے لاون گلیں شہر وسائے

ایک اور جگہ وہ ان عاشقانِ پاک طینت کی یوں منظر کشی کرتے دکھائی دیتے ہیں:

گل لیراں دی کفنی پا کے لبھ دے پھرن بیچارے
لوکی پاگل پاگل آکھن ایہہ عشق دے مارے
سولی چڑھدے وی نئیں ڈردے کدی ہوون یار نظارے
ہس ہس گل جا موت نوں لاندے ایہہ درداں دے مارے

اور

ہو جن کا عشق صادق وہ سمندر چیر جاتے ہیں
بھلا دیوانہ کب محتاج ہوتا ہے سفینوں کا
اگر تعمیر ہی مقصود ہو تو عمر لگتی ہے
نہیں ہے کام یہ سیماب سالوں کا مہینوں کا

ایک دوسری جگہ اسی خیال کو اس انداز سے نظم کا پیرہن پہناتے ہیں

سیماب کٹے گی عمر یہاں
دو چار دنوں کی بات نہیں

آنجنابؐ کے شمائل میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ کو فقر محبوب تھا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو دنیا سے بے رغبتی، آخرت سے لو لگانے اور اس کی فکر کا حکم و درس دیا۔ اسی لیے آپ نے یہ دعا فرمائی:

Marfat.com

''اللّٰھم احینی مسکینا و أمتنی مسکینا و احشرنی فی زمرة المساکین''

یعنی ''اے اللہ! مجھے مسکین کی زندگی عطا فرما، اور مسکین کی موت عطا فرما، اور روزِ قیامت مساکین کے مابین اُٹھا''۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''تعس عبد الدنیا و تعِسَ عبد الدرھم'' یعنی کہ دینار و درہم کے پیچھے بھاگنے والا ہلاک ہو گیا''

اسی بناء پر صوفیاء اپنے مریدین اور سالکینِ طریقت کو دنیا سے منہ موڑنے، اس پر اعتبار نہ کرنے، آخرت کی طرف دھیان دینے اور اللہ سے لو لگانے کا درس دیتے ہیں۔ اسی بات کا درس ہمیں مولانا اکرم اعوان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے مثلاً:

جند میریے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
ٹر جان گے مار اڈاری دنیا جھوٹی اے
ایتھے سسیاں پنن گنوائے
رانجھے ہیراں ہتھ نہ آئے
لوکی آکھن قسمت ماڑی دنیا جھوٹی اے
جند میریے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
چل رب نوں ڈھونڈھن چلیے
بوا چل فقیر دا ملیے
باقی سب چور بازاری دنیا جھوٹی اے

Marfat.com

جند میرے نہ لا یاری دنیا جھوٹی اے
ٹر جان گے مار اڈاری دنیا جھوٹی اے

دنیا سے بے ثباتی اور آخرت پہ یقین کے حوالے سے انہوں نے کیا خوب کہا ہے:

جینے کے ہاتھوں مرتے رہے ہم تو عمر بھر
مر کے جو بات بنتی ہے اب تک بنی نہ تھی

مولانا اکرم اعوان کے ہاں جہاں ہمیں تصوف کے روایتی موضوعات ملتے ہیں وہیں اعلائے کلمۃ الحق کا درس بھی ملتا ہے۔ اُن کی نظر میں صوفی کا کام صرف عامۃ الناس کی اصلاح نہیں ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اس رشد و ہدایت کا دائرہ کار خواص تک بھی بڑھائے۔ اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلم وزبان سے ملوک وامراء کی راہنمائی کرے، اور اُنہیں غلط کاموں سے روکے۔ مولانا کی شاعری میں ہمیں اعلائے کلمۃ الحق کے ساتھ ساتھ ظالم حکمرانوں پر طنز اور تنقید کے نشتر بھی چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

شیشے میں کاش اُنہیں ڈھب سے اُتارا ہوتا
شیشہ ہم نے جو دکھایا تو بُرا مان گئے
تھے الیکشن تو سرِ عام ملا کرتے تھے
بعد اس کے جو بلایا تو برا مان گئے
اپنی تعریف پہ کھل اٹھتا ہے چہرہ اُن کا
حال شہروں کا سنایا تو برا مان گئے
قومی سرمائے پہ وہ عیش کیا کرتے ہیں
قوم کا حشر دکھایا تو برا مان گئے

Marfat.com

پھانسی اپنوں کو ہوئی ہے تو کہیں اُن کو شہید
لاشہ مفلس کا دکھایا تو برا مان گئے
اُن کی کوٹھی پہ چراغاں کا سماں رہتا ہے
لوڈ شیڈنگ کا سنایا تو برا مان گئے
چارہ گھوڑوں کا بھی امپورٹ کیا کرتے ہیں
چہرہ غربت کا دکھایا تو برا مان گئے
منہ خزانے کا وہ اپنوں پہ کھلا رکھتے ہیں
نام سیماب کا آیا تو برا مان گئے

اس قسم کی شاعری کے حوالے سے نظم ''دوزخ'' جو محمد خان جونیجو سابق وزیرِاعظم پاکستان کے حوالے سے لکھی گئی اور ''قومی اسمبلی ۱۹۹۳ ٹوٹنے پر'' ''مغرب یعنی اندھوں کی نگری'' ''ملے جلے حالات'' ''دیسی گورے'' ''بیوی کی حکومت'' اور ''امام لیڈر'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک اور نظم دیکھیے کہ وہ اپنے ماننے والے مریدین کو چلہ کشی، غاروں میں جا کر عبادت کرنے، جنگلات کا رخ کرنے کا حکم نہیں دیتے، بلکہ اسی کارزارِ حیات میں حالات کا سامنا کرنے، طاغوتی قوتوں اور لشکروں کا مقابلہ کرنے اور نام محمدؐ تمام عالم میں پھیلانے کا حکم دیتے ہیں۔

اٹھو نوجوانو! زمین کو ہلا دو
ہر اک دل کے اندر مدینہ بسا دو
اٹھی ہیں گھٹائیں پہ تاریکیوں کی

Marfat.com

تمھی ذکر باری کا سورج چڑھا دو
غلامی محمد کی اپناؤ پھر سے
بتوں کی خدائی کو جگ سے مٹا دو
بڑوں کی نگاہوں پہ لالچ کے پردے
اٹھو چھین کے سارے پردے ہٹا دو
ہے سودی معیشت، یہودی سیاست
یہودی رسومات کو اب جلا دو
یہاں ہو گی اب دین کی بادشاہی
فضائے وطن کو یہ مژدہ سنا دو
اٹھو نعرہ حق کو پھر لے کے اٹھو!
حکومت کے محلوں میں ہلچل مچا دو

مولانا کی شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ حمد ونعت پر مشتمل ہے، ہمارا صوفی شاعر جب اس بابرکت میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس پر ایک عجیب طرح کی مستی، اور پڑھنے والے پر سرور وسکینہ نازل ہوتا ہے۔ مولانا کی اکثر شاعری اس صنف کے گرد گھومتی ہے اور اسی بحرِ بیکراں کی وسعتوں میں غوطہ زن دکھائی دیتی ہے۔ آپ ان کے مجموعہ کلام ''آس جزیرہ'' کا انتساب پڑھیے، آپ فوراً اس ہستی کو جان جائیں گے جس کے نام یہ مجموعہ کلام منتسب ہے

Marfat.com

## انتساب

اُس کے نام جسے میں نے

سوچا بہت ہے ابھی دیکھا نہیں

بقول سید ضمیر جعفری:

''بنیادی طور پر یہ تخلیقات ایک اہل دل کے سوز و گداز کے مظہر ہیں، سب سے بڑی متاعِ فکر عشقِ رسول ہے''۔

ان کی نعت کے چند ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

حسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بو
پر جمالِ باطنی کی ضوفشانی اور ہے
دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی در کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے
بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے
چاہنے والوں سے چھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر پہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

اور

تیری یادوں کا چمن دل میں بسایا میں نے
راز جینے کا تیری یاد سے پایا میں نے
بوسے مٹی نے دیے تیرے قدم کو آقا

Marfat.com

خاکِ بطحا کو ہے آنکھوں سے لگایا میں نے
مجھے معلوم ہے لپٹا تھا یہ تجھ سے آقا
درِ کعبہ کو بھی سینے سے لگایا میں نے
میں تو ذرہ ہوں مری ذات میں کیا رکھا ہے
تیری نسبت ہی سے پایا ہے جو پایا میں نے
دیکھوں اس شہر مقدس کی جھلک پھر اک بار
رخت بے مایہ ہے کاندھے پہ اٹھایا میں نے
نام تیرا ہی تھا لب پر دمِ رخصت میرے
مال دنیا سے یہ سیماب کمایا میں نے

آنجنابؐ معراج کی رات آسمانوں کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ سدرۃ المنتھی، پھرعرش اور آخر میں بارگاہِ ایزدی میں حاضری ہوئی۔ یہ تو ایک نبی کی معراج تھی۔ آپ کا امتی ایک عام مسلمان یہ مرتبہ کیسے پا سکتا ہے۔نعت اور عشق نبی کے حوالے سے مولانا اکرم اعوان کا وسعت خیال ملاحظہ ہو:

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

ہمارے شاعر کا تو کل سرمایہ ہی یہ ہے:

اپنا سرمایہ فقط ایک ادھوری خواہش
کیا ترا نام لگانے کی جسارت کر لوں

نعت کا میدان ایسا مقدس میدان ہے کہ اس میں جس نے بھی قدم رکھا خود سراپا

Marfat.com

نور ہوا۔نعت کے حوالے سے ہمیشہ سے علماء میں یہ بحث رہی ہے کہ آیا وہ شخص جو آنجنابؐ کی ذات پر ایمان نہیں رکھتا، آپؐ کے احکامات کو بجا نہیں لاتا، اگر وہ آپؐ کی شان والا صفات میں کوئی اشعار کہے تو کیا اسے نعت مانا جائے گا یا نہیں۔علماء نے ہمیشہ اس پر بات کی ہے کہ مشہور جاہلی شاعر ''اعشیٰ'' جو نعتیہ قصیدہ لکھ کر آنجنابؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خاطر اپنے گھر سے چلا تھا لیکن ''بنت عنب'' کی محبت اسے واپس لے گئی اور وہ بارگاہ اقدس میں حاضری سے شرف یاب نہ ہو سکا، کیا اُس کے قصیدہ کو نعت میں شمار کیا جائے گا؟ ہمارا زیرِ بحث شاعر اس بحث میں نہیں الجھتا، اس کے ہاں تو نعت کا ہمیں ایک نیا تصور ملتا ہے۔اس کی نظر میں نعت قول سے بڑھ کر عمل کا نام ہے۔نعت وہ ہے جس کا اظہار آپ کے اعمال سے ہو۔اس کا کہنا ہے:

نعت لکھنے کا قرینہ چاہیے ۔۔۔ نور ہو جس میں وہ سینہ چاہیے
نعت شعروں میں نہیں لکھتے فقیر ۔۔۔ اس کی خاطر چاک سینہ چاہیے

اور

غزلیں اور افسانے کہنا یہ بھی کام نرالے ہیں
لیکن دیکھو کتنے شاعر نعتیں کہنے والے ہیں
ڈھالنا لفظوں کو شعروں میں نعت اسے بھی کہتے ہیں
ایسی نعتیں ہندو شاعر بھی تو کہتے رہتے ہیں
نعت کا ہے اک خاص طریقہ وہ کب سب کو آتا ہے
جان لٹانا نام پہ اُن کے نعت یہی کہلاتا ہے
آگ برستی ہو میدان میں باطل کو للکارے جو
نعت کا شاعر وہ کہلائے حق پر جان نثارے جو

Marfat.com

اور

آؤ پھر اسلام کی خاطر بدر و احد سجائیں ہم
ملک پہ نافذ دین کریں یا دنیا سے مٹ جائیں ہم
یہ ہو گی اک نعت نرالی خون سے لکھی جائے گی
ہیں دنیا میں عاشق باقی، کافر کو بتلائے گی

اور

چلو نعت اک آج لکھیں نئی سی — اثاثہ ہے مومن کا الفت نبی کی
کوئی نعت خوں سے بھی لکھ کر دکھاؤ — محمدؐ کی عظمت کا جھنڈا اٹھاؤ

مولانا اکرم اعوان کی شاعری کے حوالے سے ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'' کے مصداق گفتگو کو مزید بڑھایا جا سکتا ہے، مگر میں یہ چاہوں گا کہ آپ اس شاعر سے خود ملیں، اور کلامِ شاعر بزبانِ شاعر سنیں۔ میں اپنی اس بے ربط گفتگو کو سیماب کا پتہ بتا کر ختم کرتا ہوں۔ خود جائیے، جا کر اُن سے ملیے۔ پتہ ہے:

درِ حبیب پہ سیماب کو تلاش تو کر
وہ اور جائے گا اٹھ کر کہاں مدینے سے

Marfat.com

Collection of the Articles Presented in the Seminar Held in February, 2014 entitled (The Femuos sant And sofi of Lahore Seyyed Ali bin Usman Hajvari)

Dr. Zuhoor Ahmad Azhar

Professor of Hujveri Chair

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات مسند ہجویری (۶)

# معارفِ هجويريه

(3)

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ فروری، 2014ء بعنوان:

(لاہور کے ممتاز عارف اور ولی اللہ سید علی بن عثمان ہجویریؒ)

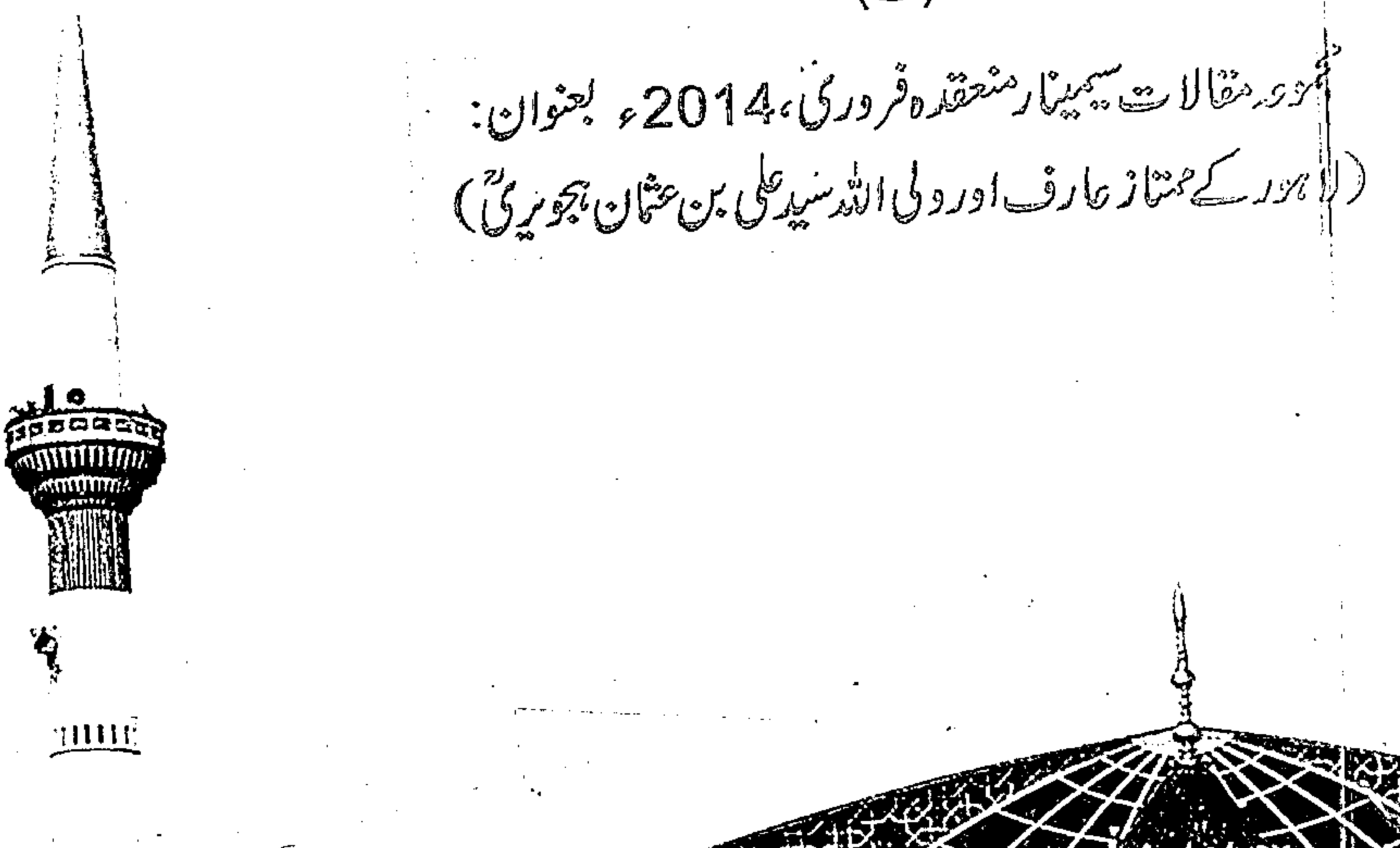

297.0
525 م
1454

تقدیم | ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
استاذ کرسی ہجویریؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com